اسلام دین حرکت

تالیف

ڈاکٹر علی قائمی استاد جامعات فی ایران

مترجم

مولانا حسن امداد ممتاز الافاضل
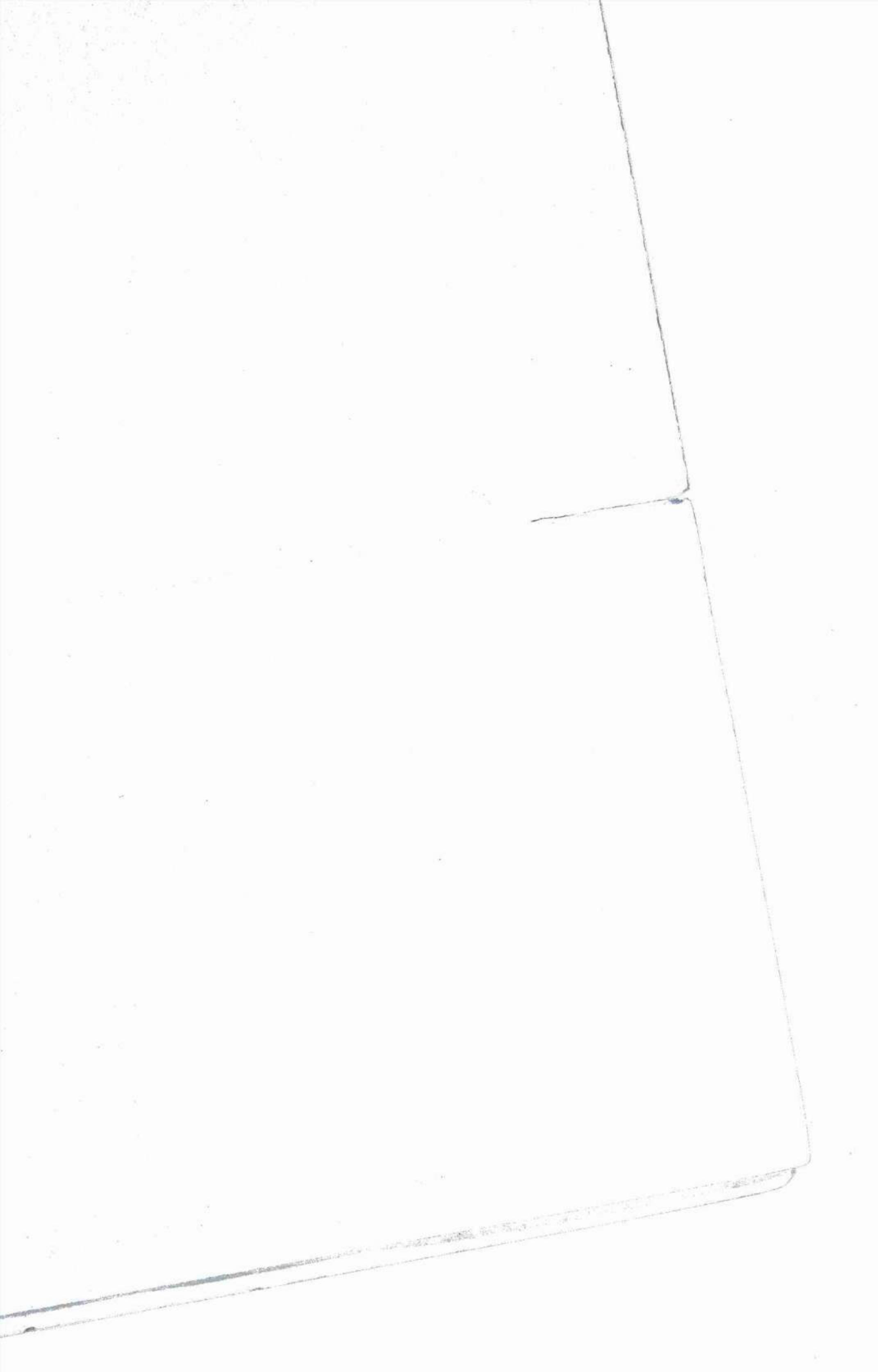
اسلام دین حرکت

تالیف

ڈاکٹر علی قائمی استاد جامعات فی ایران

خراسان بک سینٹر

۱۲ سیفیہ آرکیڈ — بریٹو روڈ — کراچی ۷۴۸۰۰

فون: [illegible]

مترجم

مولانا حسن امداد ممتاز الافاضل
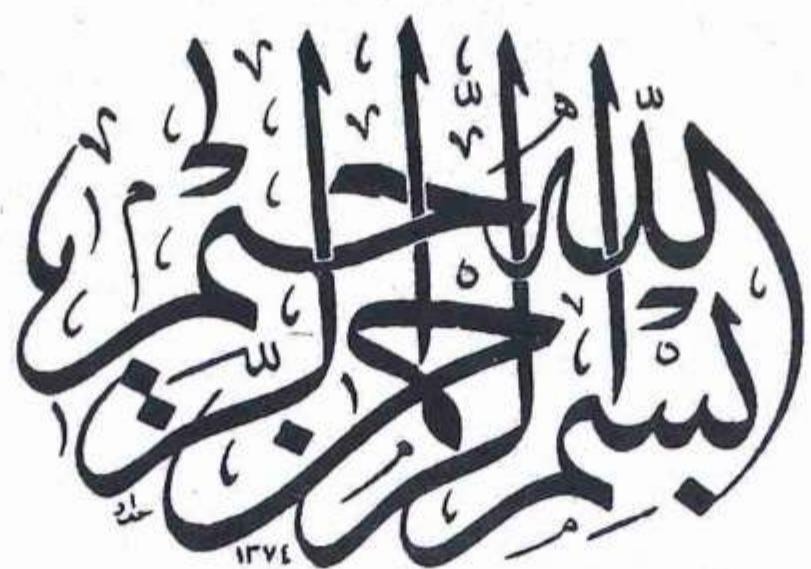
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے

انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷-۳۷۱۸۵

قم جمہوری اسلامی ایران

ٹیلی فون نمبر ۲۱۷۴۴

فہرست

مُقدّمہ

چودہ سو سال پہلے رُوئے زمین کے ایک خشک، بنجر، ناقابل زراعت، پُرہول، دہشت ناک اور تیرہ و تاریک خطّے میں ایک نور چمکا اور ایک شعلہ بلند ہوا کہ جس نے سب سے پہلے تو خود اپنے ماحول کو اور چار سو سال کے اندر ہی اندر رفتہ رفتہ روئے زمین کے ایک بڑے حصّے کو روشن کر دیا۔

وہ سرزمین عرب کی تھی، وہ خطہ مکّہ کا تھا اور وہ نور، نورِ اسلام تھا۔ جس دن یہ نور چمکا، اس کو بعثتِ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دن کہا جاتا ہے۔ اور اسی بعثت کے دن سے اسلام کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اسی دن سے توحیدِ اسلامی اور وحدتِ کلمہ و وحدتِ عقیدہ کا آغاز ہوتا ہے۔

روزِ بعثت وہ دن تھا جس دن حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیغام اسلام لے کر اکیلے اٹھے اور پھر اس کے بعد تو آہستہ آہستہ بہت

سے لوگ آپؐ کے ساتھ ہو لیے اور ایک انقلاب رونما ہوا جو رفتہ رفتہ عالمگیر ہو گیا۔

یہ انقلاب کیا تھا ــــــــ ؟

یہ ظلم و جہل، غلامی اور بدبختی کے خلاف ایک جہاد تھا ــــــ
ــــــ فقر و افلاس، استحصال اور سرمایہ پرستی، بد دیانتی اور ناانصافی کے خلاف ایک جنگ تھی۔

روزِ بعثت' درحقیقت آزادیٔ بشریت کا پہلا دن تھا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ یہ ہمارے اور دوسروں کے لیے اپنے نفس کی قید و بند سے رہائی کا محرّک تھا۔ اسی تاریخ کو انسان کی بیداری کی بنیاد رکھی گئی۔

ہم نے ارادہ کر لیا کہ ہم سچے انسان بنیں گے اور ربّانین کے گروہ میں شامل ہوں گے۔ خود کو اس قابل بنائیں گے کہ نیابت و خلافت الٰہیہ کے مستحق قرار پائیں۔

چونکہ روز مبعثِ سرورِ کائناتؐ اسلام کی عظیم تاریخ اور اس کی تحریک کے آغاز کا دن ہے اس لیے مناسب ہے کہ اسلامی تحریک پر کچھ تحریر کیا جائے، تاکہ ہمارے لیے باعثِ نجات ہو۔ مگر اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خود حرکت کے متعلق خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہو کچھ گفتگو کر لی جائے۔ اس کے بعد اصل موضوع کو زیرِ بحث لایا جائے۔

مسئلۂ حرکت

ہماری دنیا از سرتاپا حرکت و جنبش کی دنیا ہے۔ آپ کو یہاں ہر شے حرکت کرتی ہوئی ملے گی، خواہ وہ جمادات ہوں خواہ نباتات، خواہ حیوانات، خواہ کچھ اور یہاں حرکت سے کوئی خالی نہیں، یہاں ساکن کوئی شے نہیں۔ زیادہ سے زیادہ

یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض چیزوں کی حرکت اتنی تیز ہوتی ہے کہ ہمیں نظر آتی اور محسوس ہوتی ہے اور بعض کی اس قدر سست کہ نظر آنا تو درکنار، محسوس تک نہیں ہوتی۔

پھر حیوانات میں تو حرکت ہی زندگی کی سب سے بڑی شناخت ہے۔

فرض کیجیے آپ کسی جنگل کے ایک گوشے میں جاتے ہیں وہاں آپ کو ایک سانپ بے حس و حرکت پڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اور آپ کو شک ہوتا ہے کہ یہ زندہ ہے یا مُردہ تو آپ اس کو ہلانے کی کوشش کریں گے اگر اس میں ذرا سی بھی حرکت ہوئی تو سمجھ لیں گے کہ زندہ ہے ورنہ مردہ ہے۔

حرکت انسان کے لیے لازمۂ حیات ہے۔ یہ ضروریات زندگی میں سے ہے بلکہ اپنے اغراضِ مادی و روحانی کو بھرپور اور کمال کی حد تک حاصل کرنے کے لیے اور یہ دکھانے کے لیے کہ ہم زندہ ہیں، ہماری پوری زندگی حرکت و جنبش، سعی و کوشش ہی سے عبارت ہے۔ یہ رزمگاہِ زندگی درحقیقت رزمگاہ جدوجہد اور رزمگاہ حرکت و جنبش ہے۔

لہٰذا ہماری اجتماعی اور قومی زندگی بھی اسی وقت کامیاب ہو گی جب اس میں جدوجہد اور جنبش و حرکت ہو۔ اس لیے کہ ٹھہراؤ اور سکون، انحطاط و بدبختی اور سیہ روزی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق بھی اسی قوم کے شامل حال ہوتی ہے جس میں دانشمندانہ جدوجہد کا جذبہ ہو اور جو قوم طبعاً اس سے گریز کرتی ہے وہ کامیابی سے لذّت یاب نہیں ہوا کرتی۔

حرکتِ عمومی

ہماری دنیا کی ہر شے متحرک ہے، ہر چیز اپنے اپنے کام اور اپنی اپنی جدوجہد

میں مشغول ہے۔ ابر، باد، چاند، سورج، ستارے، کیڑے مکوڑے، مکڑیاں، کچھوے، مچھلیاں، پرندے بلکہ ان کے بچے تک جنھوں نے ابھی ابھی انڈوں سے سر نکالا ہے سب کے سب حرکت میں ہیں۔ اور اس دنیا میں بالعموم یہی دستور رائج ہے۔ لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ ہماری دنیا کے لیے سکون اور جمود سازگار نہیں ہے۔

آپ صحرا میں جاتے ہیں، ایک گوشہ میں، کسی نہر کے کنارے، درخت کے سایہ میں آرام سے بیٹھتے ہیں۔ آپ ایک کیڑے کو دیکھتے ہیں کہ وہ زمین کے اندر سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے، پرندوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ درخت پر پتوں کے درمیان حرکت کر رہے ہیں یا اڑنا چاہتے ہیں یا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جانے کے لیے حرکت کر رہے ہیں۔ مکڑی کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی حرکت میں ہے، اپنا جالا تن رہی ہے تاکہ کوئی شکار اس کے ہاتھ لگے۔

آپ کسی جھاڑی اور بیشہ میں ایک شیر پڑا ہوا پاتے ہیں جو بے حس و حرکت ہے، جرأت کر کے اس کے قریب پہنچتے ہیں اور ایک لمبی لکڑی سے اسے مارتے ہیں کہ دیکھیں یہ زندہ ہے یا مُردہ۔

اگر زندہ ہوا تو فوراً جھپٹے گا اور آپ کا حساب کتاب تمام کر دے گا اور اگر وہ مُردہ اور بے حس و حرکت ہے تو آپ اس کی کھال اتار لیں گے تاکہ فروخت کرنے یا اپنے شو روم میں رکھنے کے کام آئے۔

بالکل اسی طرح جیسے استعماری طاقتیں کرتی ہیں کہ پہلے قوم میں کوئی تحریک چلاتی ہیں کہ دیکھیں اس میں جان ہے یا نہیں ——— ؟

اگر اس میں جان نہیں ہے،

اور وہ مُردہ ہے ———

تو اس کی کھال تک اتار لیتی ہیں۔

حرکتوں میں تفاوت اور فرق

جمادات ، نباتات اور حیوانات سبھی میں حرکت موجود ہے مگر ہر ایک کی حرکت الگ الگ قسم کی ہے۔ سب سے زیادہ نمایاں حرکت حیوان اور انسان میں نظر آتی ہے جو ہمیں خاص طور پر محسوس ہوتی ہے مگر انسان اور حیوان کی حرکتوں میں بھی بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔

انسان کی حرکت سوچی سمجھی ہوئی ، معقول ، بامقصد اور معیّنہ مدار کے گرد ہوتی ہے جبکہ حیوان کی حرکت محض جسمانی اور طبعی ہوتی ہے۔ اس کا مقصد اور مدار کوئی پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتا بلکہ جو بھی سامنے آجائے اسی کے گرد گھومنے لگتا ہے۔

انسان کی ہر حرکت علم و آگہی کے ساتھ ایک حساب اور ایک اندازے سے ہوتی ہے جبکہ حیوان کی حرکت میں ایسی کوئی شرط نہیں۔

انسان کی حرکت اور اس کا عمل کسی مقصد کے لیے ہوتا ہے جبکہ حیوان کا عمل صرف برائے عمل ہوتا ہے۔

انسان کا عمل سابقہ تجربہ کو سامنے رکھ کر اس سے بہتر عمل کی کوشش ہوتی ہے جبکہ حیوان کے عمل میں یہ خصوصیات نہیں ہوتیں۔

ہم تو یہ کہیں گے کہ انسان کی زندگی اگر ایسے اعمال و حرکات سے خالی ہے جس کے پیچھے کوئی مقصد نہیں تو پھر وہ انسان نہیں اسے چاہیے کہ اپنے عمل کو بامقصد اور ہدف دار بنانے کی کوشش کرے۔

زندگی اور حرکت

اگر ہم زندگی کو قید خانہ اور اسیری بھی فرض کرلیں تو قید خانہ بھی حرکت اور

جستجو سے خالی نہیں۔ اس لیے کہ زندگی اور نفس کی آمدورفت کو برقرار رکھنے کے لیے وہاں بھی تو مقاومت، جدوجہد و حرکت کی ضرورت ہے۔ جب تک سعی و کوشش نہ ہوگی، آگے بڑھنے کے لیے ہمارا راستہ نہ کھلے گا۔ اور نتیجہ میں موت و فنا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

فرانسیسی ماہر حیاتیات بیشو، زندگی کو ان اعمال اور جدوجہد کا مجموعہ سمجھتا ہے جو موت کے خلاف کی جاتی ہیں۔ یعنی پھر وہی حرکت جس کے تحت زمانہ کا حقیقی مفہوم ملتا ہے اور دنیا کے معاشرہ میں اثر و نفوذ حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی فلاسفر جیسے ابن مسکویہ اور ابن خلدون وغیرہ زندگی کو ایک بامقصد انقلابی حرکت و سعی و کوشش سمجھتے ہیں۔ ایسی حرکت جو عمر بھر پے در پے اور مسلسل برائے کسبِ کمال کی جائے۔ مگر اس حرکت کو احساسِ فرض، احساس ذمہ داری اور بیداریٔ وجدان کی ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان ہر وقت تو جانبِ کمال سفر نہیں کرتا۔

نوع انسانی دو طرح کے راستوں پر چل سکتی ہے۔ خیر کے راستہ پر بھی، اور شر کے راستہ پر بھی۔

چاہے تو جانوروں کی طرح زندگی بسر کرے اور ان کی صفوں میں شامل ہو جائے اور اپنے اوپر جمود طاری کر لے۔

لیکن وہ شخص جو فرض اور ذمہ داری کا احساس رکھتا ہے، وہ اپنے مقصد کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ غلام بن جائے اور غلاموں کی طرح زندگی بسر کرے۔ وہ اپنے ہدف اور مقصد کی طرف بڑھتا ہے

اور مجاہدانہ و مبارزانہ طور پر بڑھتا ہے۔
عمر بھر تخلیق اور کچھ پیدا کرنے کی فکر میں رہتا ہے
اپنے فکری تجربہ اور حاصل کردہ علم و ہنر کو عملی میدان میں لاتا ہے اور نتیجہ میں اس
کا عمل دوامی اور جاودانی بن جاتا ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم لوگ اس
وقت خود کو کیا سمجھیں؟ ہم لوگ جو صرف تھیوری اور نظریہ میں لگے ہوئے ہیں کیا
ہم زندہ ہیں یا وہ لوگ جو اپنے ھدف اور منصوبہ کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے
ہیں، وہ زندہ ہیں؟

حرکت کی قدر و قیمت اور اس کے فوائد

حرکت کا عام مفہوم تو یہ ہے کہ حرکت کسی شے کے وجود کی نشانی ہے۔
جب ہم کسی جنگل میں پرندوں کو پرواز کرتے دیکھتے ہیں تو باور کرتے ہیں کہ یہاں پرندے
موجود ہیں۔
جب ہم کسی انسان کو زندگی کے میدان میں سعی و کوشش کرتے دیکھتے ہیں
تو تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا وجود ہے۔
حد یہ ہے کہ جب ہم کسی مکھی کو اڑتے اور بھنبھناتے دیکھتے ہیں تو ہمیں
اس کے وجود اور اس کی زندگی کا یقین ہوتا ہے۔

حرکت، انسانی زندگی کی تشکیل کے اسباب میں سے ایک اہم اور بنیادی
سبب ہے۔ یہ انسان کے اندر جہاں بینی پیدا کرتی ہے اور اس کے نتیجہ میں دل کے
لیے استغناء اور خیالات میں تبدیلی کے مواقع فراہم کرتی اور روح کو فرحت و نشاط و

بے نیازی بخشتی ہے۔

حرکت، جدت طرازی، صنعت، تخلیق اور بقائے دوام کا ایک سبب ہے
ایک وہ شخص جو اپنے منصوبہ و ہدف تک پہنچنے کے لیے گامزن ہے اور اس میں جان کھپا رہا ہے اور ایک وہ شخص جو بالکل آزاد اور بے فکرا ہے۔ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے،

کیا یہ دونوں برابر ہیں؟

حرکت بظاہر بڑھاپا اور پیری لاتی ہے مگر اس کے نتیجہ میں حیاتِ ابدی اور بقائے دوام حاصل ہوتی ہے۔ جس دن اللہ نے بہشت کو خلق فرمایا، اسی دن اس نے اسے اپنے فداکاروں، مجاہدوں اور اپنی راہ میں جنگ کرنے والوں کے لیے مخصوص فرما دیا۔ یہ ان لوگوں کے لیے نہیں پیدا کی گئی جو سست، کاہل، تن پرور جامد اور آرام طلب ہیں۔ بہشت ان لوگوں کے لیے ہے جو حقوق انسانی کے احیاء اور اس کو ظلم و ستم سے بچانے کے لیے جد وجہد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے نہیں جو اپنی جگہ سے نہیں ہلتے اور خود کو فرسودہ اور بیکار بنائے ہوئے ہیں۔

حرکت ہی کسی شے کو بناتی، سنوارتی، آگے بڑھاتی اور ترقی دیتی ہے وہ مکاتب فکر اور وہ مذاہب جو کسی ایک خطے میں ساکن رہے، بالآخر مٹ گئے لیکن جو ایک خطے کو چھوڑ کر دوسرے خطوں میں پہنچے اور ہجرت کی وہ زندگی کے معمار بن گئے۔

اسلام جب تک مکہ میں تھا۔ اس کی حیثیت محض ایک دین کی تھی جسے امور حکومت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مگر جب ہجرت کرکے مدینہ پہنچا تو وہ دین اور حکومت دونوں بن گیا اور جب وہاں سے دیگر ممالک میں پہنچا.

تو دین، حکومت اور ثقافت سب کچھ بن گیا۔

حرکت اور کسبِ کمال

حرکت کبھی ترقی و کمال کا سبب بنتی ہے اور کبھی زندگی کی سختیوں میں آزمائش و امتحان کا موجب تاکہ انسان کے جوہر کھلیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کے میدان میں کون سے لوگ پاؤں پھیلا کر سورہے ہیں اور کون سے لوگ رواں دواں ہیں۔ کون شخص ترقی کی طرف گامزن ہے اور کون پستی، انحطاط، سقوط اور فنا کی طرف جا رہا ہے۔

ترقی و کمال کی طرف بعض حرکتیں فطری اور غیر ارادی ہوتی ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے ذرائع اور امکانات کافی حد تک بغیر ارادہ اور خواہش کے فراہم ہو جائیں۔

مگر یہ ترقی اور کمال قابل افتخار نہیں ہے۔ یہ فطری قسم کی ترقی تو پودوں اور جانوروں میں بھی ہے۔

ترقی و کمال کے لیے بعض جدوجہد اور حرکت، اختیاری اور انسان کے اپنے علم و آگاہی اور ارادہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس طرح کی جدوجہد یقیناً انسان کے لیے باعث افتخار و سربلندی ہے اور اسی طرح کی جدوجہد کو تائیدِ الٰہی اور خالقِ بہشت بریں کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

حرکتِ تاریخ و تمدّن

انسانی تاریخ پر پہلی ہی نظر یہ بتا دیتی ہے کہ یہ نام ہے ایک

مسلسل، پے در پے اور مستقل اور مداوم جد وجہد کا جو انسان میں قوتِ تخلیق پیدا کرتی ہے۔ تاریخ کا رُخ موڑنے والے یا یوں کہا جائے کہ تاریخ ساز شخصیتیں، اگرچہ معدودے چند تھیں مگر ایسی تھیں کہ جن کے کام بہت عمیق اور وسیع الذیل تھے ان کی جد وجہد بے ریا، بے ریب اور خلوص پر مبنی تھی۔ ان لوگوں نے زندگی بھر جو بھی جد وجہد کی وہ اپنے اور غیر سب کی بھلائی کے لیے کی۔ قوموں اور ملتوں کو آزادی اور نجات دلائی۔ آج کل جو قوموں میں آزادی یا نیم آزادی نظر آرہی ہے" یہ انھیں جانبازوں کی جد وجہد کا نتیجہ ہے جو اللہ اور اس کی قدرت پر بھروسہ کر کے اس راہ میں گامزن ہوئے اور اپنے ملک میں خود کفالت اور ترقی پیدا کی۔

کس قوم نے کس طرح ترقی کی، اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے اندر تمدن اور ثقافت پیدا کرنے میں تحریکوں کا کس حد تک حصہ تھا اور ان تحریکوں کے پاس کیسے کیسے خاکے تھے۔

ان تحریکوں کے پیدا کیے ہوئے بڑے بڑے روشن اور نمایاں تمدن، درحقیقت یہ ان شخصیتوں کی فداکاری اور خدمت ہے جو عمر بھر از خود رفتہ رہے اور زندگی کی دشوار راہوں میں ان کو اپنے سَر پیر کا ہوش نہ رہا۔

پوری تاریخ انسانی کے اندر ان ہی جیسے لوگوں کی تحریکوں سے انقلاب آیا اور قوموں نے ترقی کی۔ ظلم واستبداد، طغیان وعصیان کے منہ کو لگام لگی اور وہ کنٹرول میں آئیں۔

انسانی معاشرہ میں جو تہذیب وثقافت پیدا ہوئی، درحقیقت اس کے پس منظر میں انبیاء علیہم السلام کی وہ تعلیمات اور تحریکیں تھیں جنھوں نے انسان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

حرکت کا اعجاز اور کرشمہ

حرکت وجد وجہد خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی، اپنے اندر ایک اعجاز، ایک کرامت وکرشمہ رکھتی ہے۔ درجۂ کمال تک پہنچنے کے لیے انفرادی جد وجہد وسعی و کوشش انسان کو ایسے مواقع فراہم کرتی ہے کہ وہ فرشتوں سے بڑھ جائے اور خلیفۃ اللہ کے مرتبہ پر فائز ہو جائے۔

اور اجتماعی جد وجہد انسانوں کے لیے ایسی راہیں کھولتی ہے کہ جس پر گامزن ہو کر وہ غلامی اور اسیری سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ دنیا کے فرعونوں کو تخت سے اتار کر زمین پر بٹھا دیتے ہیں اور عالم کے سرکشوں، متکبروں اور کمزوروں کو دبانے والوں سے ناک رگڑوا لیتے ہیں۔

ایک ضعیف انسان جو جسمانی طور پر مشتِ خاک ہے بلکہ اس سے بھی پست، مگر یہ جد وجہد وحرکت اس میں ایسی توانائی پیدا کر دیتی ہے کہ اس کا حکم پورے عالم پر چلتا ہے اور وہ مظہرِ صفاتِ الٰہی ہو جاتا ہے۔ اس کا امر و نہی سارے موجودات پر اثر انداز ہوتا ہے اور اتنا بلند ہوتا ہے کہ پوری کائنات اس کے قدموں کے نیچے نظر آتی ہے۔

ایسی حرکت و جد وجہد سے زندگیوں میں تنوّع اور استغنا پیدا ہوتا ہے، ساری فرسودگیاں ـــــ سارے رنج ـــــ سارے غم، سارے دکھ درد دور ہو جاتے ہیں ـــــ ساری کدورتیں اور ملال زائل ہو جاتے ہیں ـــــ وہ ترقی کرتا ہے ـــــ اس میں کمال پیدا ہوتا ہے ـــــ اس میں تخلیق اور ایجاد کی صلاحیت آتی ہے۔

جمود اور سکونِ بے نقصان

اگر انسان زندگی کا راز، اس کی پیش رفت اور اس کی ابدیت کو سمجھ لے تو کبھی جمود و رکود، سکون و توقف نہیں اختیار کرے گا۔ کیونکہ سکون اور توقف انسان کو بے جان سا بنا دیتا ہے بلکہ اس کا شمار مردوں میں ہونے لگتا ہے۔

یہ سکون اور رکود ہمیشہ آفات و بلیات اور ناہنجاری کا سبب بنا کرتا ہے۔ یہ زندگی میں سقوط و انحطاط پیدا کرتا ہے۔ اس سے لوگوں میں عصیان و الحاد پیدا ہوتا ہے۔ یہی کفر و بے دینی کا موجب بنتا ہے

جب تک پانی بہاؤ پر ہے، وہ جاری و ساری ہے، نشیب و فراز سے گزرتا رہتا ہے، وہ قابل استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہی پانی جب کسی گڑھے میں مرتکز ہو جائے اور اس میں ٹھہراؤ پیدا ہو جائے تو وہ سڑ جاتا ہے۔ اس میں بُو آجاتی ہے، وہ گندا ہو جاتا ہے اور قابل استعمال نہیں رہتا۔

دنیا میں فتنہ و شر اور فرد یا قوم میں پستی اور انحطاط کا بڑا سبب بے حرکتی ہے، اگر موجودہ زمانے میں ہم پر دباؤ زیادہ ہے اور تیسری دنیا کے لوگ فٹ بال کی گیند کی طرح ادھر سے ادھر ٹھکرائے جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں کوئی اور جنبش نہیں ہے، ان پر جمود طاری ہے۔

اگر تیسری دنیا کے ممالک سب سے کٹ کر پیچھے رہ گئے ہیں اور ان کا استحصال کیا جا رہا ہے تو اس کا بھی بڑا سبب یہی ہے کہ خود ان کے اندر کوئی حرکت و جنبش نہیں۔ لہٰذا ہمارا اپنے سوا کسی اور کو مورد الزام ٹھہرانا مناسب نہیں ہے۔

اگر کوئی درست کردار معاشرہ اپنے فریضہ کو پہچاننے اور احقاقِ حق کی

راہ میں اپنی قوتِ مقاومت سے کام لے تو وہ صبر کے ساتھ زمانے کے مصائب کو سہہ سکتا ہے۔ اگر یہ لوگ فی سبیل اللہ اپنے انسانی فریضہ کو پورا کرتے تو ان کی حالت وہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔

افسوس کہ ہماری بے حرکتی کی وجہ سے ہمارا کتنا سرمایہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ ہماری غفلت و جمود سے کتنے فائدے دشمنوں نے اٹھائے۔

حرکت کی صورتیں

وہ حرکت اور اقدام تعمیری سمجھا جائے گا جو سوچا سمجھا اور علم و آگہی کے ساتھ حق پر چلتے ہوئے اپنے مقصد کی طرف ہو۔ ورنہ ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر چکر لگانا کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔

انسان کوئی فرشتہ نہیں جو پیدائشی کمال رکھتا ہو کہ اس کو ترقی کی ضرورت نہیں اور نہ جانور ہے جو اپنی جگہ اور اپنے دائرے میں حرکت کرتا ہے۔ بے خبروں اور ناواقفوں کی سی حرکت نہ ہونی چاہئیے۔ اس لیے کہ یہ حرکت سطحی اور ظاہری ہے جو اپنے ماحول کو فریب دینے والی ہے۔

حرکت ایسی ہونی چاہئیے جو لوگوں کو غلامی سے آزاد کرائے اور ان کا فکری، ھدفی اور فلسفی افلاس دور کر دے۔

انسان کی حرکت طولی اور صعودی (بلندی کی جانب) ہونی چاہئیے نہ کہ ایک ہی جگہ دائرہ میں۔ اس لیے کہ اس میں خلاقیت نہیں آئے گی۔ نیز انسان کی حرکت کسی نقشہ اور منصوبہ بندی کے ماتحت ہونی چاہئیے۔ ورنہ بے حساب و کتاب راہ چلتے رہنے سے انسان بے راہیوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں

نکبت، فساد اور محرومیت کے اندر غوطے کھانے لگتا ہے۔

ایک ہی جگہ پاؤں چلانے سے آدمی اپنی شخصیت کو گرا کر جانوروں کی حدود میں داخل کر لیتا ہے۔ اس بنیاد پر اگر کوئی شخص اپنی جگہ پر پاؤں پٹک رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ ہم آگے بڑھ رہے ہیں تو یا تو وہ جاہل ہے اور یا خود کو دھوکہ دے رہا ہے۔ کیونکہ توقف اور جمود خود سپردگی کے بے شمار مواقع فراہم کر دیتی ہے۔

کبھی حرکت اور سفر خشکی کے بدلے غوطہ خوروں کی طرح زیر آب بھی ممکن ہے تاکہ کسی گھوڑے یا بیل سے ٹکر نہ ہو، کیونکہ اس ٹکراؤ کی صورت میں گھوڑے بیل والے خود کو بری الذمہ اور بے قصور سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسی صورت میں نہ ان کا فریضہ اور ذمہ داری ان کے سر سے اٹھتی ہے اور نہ یہ بری الذمہ ٹھہرتے ہیں۔ اس میں غلطی دونوں ہی کی ہوتی ہے۔

یہ لفظی اور عرفانی بحثیں اور جنگ وجدل کے مناظرے اور مناقشے جو کسی زمانہ میں انتہائی اہمیت کے ساتھ منعقد ہوتے تھے۔ اس کا مقصد صرف خود کو سرگرم رکھنا تھا۔ یہ بھی ایک قسم کی زیر آب حرکت اور پیراکی ہے۔

حرکت کی قسمیں

حرکت اور اقدام مختلف قسموں سے ممکن ہے۔ عملی اقدام —— قلمی اقدام —— فکری اقدام —— اور —— زبانی اقدام۔

اب یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس میں فلاں اقدام درست ہے اور بقیہ سب غلط ہیں۔ زبانی اقدام بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا قلمی اور یہ دونوں اقدامات بھی اتنی اہمیت رکھتے ہیں جتنا عملی اقدام۔ کیونکہ زبان یا قلم کے ذریعہ کسی کا

بخیہ ادھیڑنے اور اسے رسوا کرنے سے ممکن ہے کہ وہ اپنے کو درست کرلے اور اپنی حالت کو بدل لے۔

کبھی کبھی ایک خط، ایک اعلامیہ، ایک ٹیلیفون، ایک ٹیلیگرام یا ایک تقریر سے وہی تبدیلی آجاتی ہے جو ایک مسلح اور عظیم جنگ سے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ اس وقت اور اس موقع پر ہمارا فریضہ کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

دراصل عمل اور جدوجہد ہی سے فرد و قوم کی خوش بختی، آسائش اور نجات کی راہیں کھلتی ہیں اور یہ بات کہ انسان کس راہ پر چلے اور کون سا اقدام کرے ایسی بات ہے کہ اسے انسان کو اپنی عقل اور اپنے تجربہ سے طے کرنا چاہیے لیکن جو اقدام کرے خالص اللہ کے لیے کرے۔

حرکت اور جہاں بینی

انسان کی زندگی میں ایک خاص طرح کی جہاں بینی ہو تو اس سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور اسی سے زندگی کے آغاز و انجام میں کیفیت اور رنگ پیدا ہوتا ہے۔ اسی جہاں بینی کی بنیاد پر اگر انسان چاہے تو اپنے لیے ایک ایسا محرک اور حرکت کی سمت معین کرنے والا لائحۂ عمل منتخب کرسکتا ہے جو اس میں تحریک پیدا کرے، اس کو آمادہ کرے اور اس کے لیے حرکت کی سمت کو متعین کردے۔

جہاں بینی اور مطالعۂ کائنات میں جس قدر وسعت نظر ہوگی حرکت کے عمل کی شعاعیں اتنی ہی زیادہ اور مؤثر ہوں گی۔ مثلاً بت پرستوں کی جہاں بینی صرف پتھر اور لکڑی تک محدود رہتی ہے۔ اس کا تعلق فقط مادیت سے ہوتا ہے۔

اور وہ زوال پذیر ہوتی ہے۔ نتیجہ میں ان کی نظر محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور اللہ کے ماننے والوں کی جہاں بینی چونکہ اللہ کے لیے ہے ان کی نگاہ ایک لامحدود ہستی پر ہے جن کی نظر میں وسعت و گہرائی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

دنیا میں کئی طرح کی جہاں بینی وجود میں آئیں۔ بعض وہ جو انسان میں حرکت و عمل پیدا کرتی ہیں اور بعض حرکت و عمل کی نفی کرتی ہیں۔ انسان کو جمود و رکود کی طرف لے جاتی ہیں۔

بنیادی طور پر تو دنیا کے تمام ادیان اور مذاہب انسان کو دعوتِ حرکت و عمل دیتے ہیں اور آگے بڑھنے کے لیے راہیں فراہم کرتے ہیں۔ مگر یہ سارے مذاہب یکساں نہیں بلکہ وہ مذاہب جو اپنے اصول کو محفوظ کیے ہوئے ہیں ان میں انسان کے اندر حرکت و جنبش پیدا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے۔

اور اس طرح اگر دیکھا جائے تو اسلام اس معاملہ میں تمام مذاہب میں سب سے آگے ہے۔

انبیائے کرام کی تحریک

سوال یہ ہے کہ یہ مختلف تحریکیں، یہ ترقی کے لیے گوناگوں جدوجہد۔ یہ آزادی کے تقاضے، یہ مساوات کے مطالبے جو آج دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں یہ سب آخر کہاں سے آئے ـــــــ؟ کس نے پیدا کیے۔؟

یہ حریت اور آزادی کے نعرے جو ہر طرف کانوں میں گونج رہے ہیں۔ یہ کس نے شروع کیے ـــــــــــ؟

اس سوال کا جواب تو یہ ہے اور یہی دیا جا سکتا ہے کہ:

ان ساری تحریکوں کا سرچشمہ مختلف انبیائے کرامؑ

کی تعلیمات اور ان کے مذاہب ہیں ـــــــ!

حقیقت یہ ہے کہ ایک سچا دین خود ایک تحریک ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو جدوجہد کے اسلوب سکھاتا ہے اور اس سلسلہ میں وحی الٰہی ان کی بہت کچھ رہنمائی کرتی ہے۔

بنی اسرائیل کی تحریک جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔
وہ اس بنا پر شروع ہوئی کہ فرعون نے اپنی بڑائی اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ ہر طرف فتنہ وفساد پھیلانے لگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اس کا راستہ روکو اور اس کا مقابلہ کرو۔

مسیحیت کی ساری تحریکیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسیحیت کی طرف منسوب ہیں اور حد یہ ہے کہ صلیبی جنگیں بھی بلاوجہ ان کی اور ان کی یاد کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

اور اسلامی تحریکیں تو اسلام اور بانیٔ اسلام پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہی ہیں۔ اور آج بھی ہمارے دور میں عالمی سطح پر کم وبیش ہر ملک میں چل رہی ہیں اور ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ اسلامی تحریک کی راہ میں جہاد کو بہت زیادہ اور غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔

صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام مذاہب جو وحیٔ ربانی کے دعویدار ہیں انھوں نے ایسی ایسی تحریکیں چلائیں کہ ان کی روشنی کم وبیش ہر طرف پھیلتی رہی۔
حقیقت ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مصلحین ومفکرین کی فکری، اجتماعی اور اقتصادی تحریکیں ایک طرف اور اس کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کی تحریکیں دوسری طرف، صرف یہی نہیں کہ وہ ان کی ہم پلّہ ہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ بہتر طور پر اصلاحِ رہنمائی کا کام دیتی ہیں۔

انبیائے کرام کے پیغامات

اللہ تعالیٰ نے جو پیغامات بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کے پاس بھیجے

ان کے اندر صرف یہ تھا کہ وہ اس تحریک کو لے کر اٹھیں ۔ اور اس پیغام کے پاتے ہی انبیاء علیہم السلام نے ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا ۔ وہ بے خوف و خطر اٹھے اور عالم انسانیت کی ہدایت کی راہیں تلاش کرنے لگے ۔

چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بذریعۂ وحی یہ پیغام ملا :

"اٹھو اور لوگوں کو برائیوں کے انجام سے ڈراؤ۔"

یہ پیغام صرف رسول خاتمؐ ہی کو نہیں بلکہ انبیائے ماسبق کو بھی اسی طرح کے پیغامات ملے تھے ۔

اور یہ حقیقت ہے کہ انھیں پیغامات نے ان کے اندر جہاد اور عظیم جدوجہد کا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا جس کے نتیجہ میں انھوں نے وہ راہیں اختیار کیں جن سے سارے عالم انسانیت کو زندگی کی برکتیں ملیں ۔ ان میں عدالت و صداقت و مساوات پیدا ہوا ۔ اور اللہ کے اس بتائے ہوئے راستے پر چلنے لگے ۔

انبیاء علیہم السلام کا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ وہ لوگوں کے سامنے آیات پیش کرتے اور انھیں ایسی ہدایات دیتے کہ جن سے لوگوں کے اندر حرکت و جنبش پیدا ہو اور ان میں پسندیدہ اور ستودہ زندگی بسر کرنے کی خواہش پیدا ہو ۔ اور انھیں ہدایات و احکامات میں جن کی بنیاد اعتقاد پر استوار کی گئی ہے ، ظلم و استبداد کے دفیعہ کے لیے جہاد کا ، آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کا اور حکومت حق کے قیام کے لیے جدوجہد کا بھی حکم دیا گیا تھا ۔

جب لوگوں نے جدوجہد و جنبش و حرکت کو چھوڑا ، حکم وحی پر عامل نہ رہے ۔

تن آسانی اور عیش و عشرت میں پڑ گئے تو ان کی عزت خاک میں مل گئی۔ ان کی سربلندی ذلت و پستی سے بدل گئی۔ انھیں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ اغیار ان کا استحصال کرنے لگے، وہ ضعیف و کمزور ہوتے گئے اور ان پر وہ، وہ مصیبتیں نازل ہوئیں جن کی کبھی توقع بھی نہ تھی۔

اسلام پر ایک نظر

اسلام ایک عقیدہ ہے۔ ایک انقلابی طرزِ فکر ہے جو جنبش و جہد و کوشش کے ذریعہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو کسی حال اور کسی لمحہ میں بھی عیش و تن آسانی میں نہیں چھوڑتا۔ وہ ایک ایسا دستور ہے جو مسلمانوں کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنے دفاع کی دعوت دیتا ہے اور دوسروں سے بھی کہتا ہے کہ وہ بھی اپنے فاسد نظاموں کو چھوڑیں اور اپنی تعمیر و اصلاح کریں۔

اسلام صرف مسائل طہارت و نجاست ظاہری تک محدود نہیں بلکہ اس کا دامن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اس کی بنیادی جدوجہد میں فرد و معاشرہ کی طہارت اور اس کی باطنی خباثت و پلیدگی کو دور کرنا ہے۔

اسلام لوگوں میں جنبش و حرکت پیدا کرتا ہے۔ ان کو عمل کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو جمود و رکود میں نہیں چھوڑتا کہ اغیار ان کا استحصال کریں، اسلام جہاں بھی جاتا ہے اپنے لیے خود اسباب پیدا کرلیتا ہے۔ یہ لوگوں کی آنکھوں کو بینائی دیتا ہے، زندگی کے شعور کو ابھارتا ہے، انھیں علم و معرفت سے نوازتا ہے۔

اسلام خود ایک ایسا زندہ وجود ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، انھیں اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ برائیوں کے اسباب کو دور کرتا ہے

راہ کی رکاوٹوں کو ہٹا دیتا ہے ــــــ انسان کو ہدایت و زندگی کی نعمت دیتا ہے۔
وہ چاہتا ہے کہ ــــــــــــ

انسان اپنی نامناسب روش کو ترک کرے ــــــــ
اپنی زندگی میں انقلاب لائے۔
انسانیت کا طریقہ اختیار کرے ــــــــ
اور ــــــــــــ واقعی انسان بن جائے۔

اسلام دینِ حرکت ہے

اگر اسلام کی تعلیمات اور اس کے حقائق و بنیادی خطوط پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ ان تعلیمات کے اندر سوائے جنبش و حرکت، سوائے جد و جہد اور کچھ نہیں ہے۔ اس کی پوری حقیقت اس کا پورا وجود اپنے اندر ایک آزادی بخش تحریک رکھتا ہے۔ اس کی پوری کوشش ہے کہ عالمِ انسانیت کو گمراہی و جہالت اور عالم کی نیرنگیوں سے نجات دلائے۔

یوں سمجھنا چاہیئے کہ ـــــــــ

اسلام کُل کا کُل ایک تحریک ہے ـــــ ایک جنبش ہے ـــــ ایک تلاش ہے ـــــ ایک جد و جہد ہے۔ یعنی بدبختی و غربت و افلاس کے خلاف جد و جہد۔ اسلامی افکار کے تمام خطوط معنیٰ و مفہوم کے لحاظ سے ایک نقطہ پر جمع ہوتے ہیں۔ اور اس کا نام ہے۔ باعمل اور متحرک دنیا۔

اسلام اپنے سچے پیروؤں کے لیے ایک پُرجوش کارساز ہے، جس دل میں داخل ہوتا ہے اس میں ایک انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے زمین و آسمان کو بدل دیتا ہے۔

وہ مسلمانوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی کے طور طریقوں میں اصلاح کریں اور اپنی اور دوسروں کی ضروریات و حاجات کو بر لائیں اور انتہائی خوش دلی، جوش و ولولہ کے ساتھ باعمل بن جائیں۔ جمود کو پاس نہ آنے دیں۔ ہمہ تن جنبش و حرکت بن جائیں۔

معاشرے میں حرکت و جنبش پیدا کرنے کے لیے اسلامی جہاں بینی غیر معمولی طور پر مؤثر ہو سکتی ہے اور یہ ایک انقلاب عظیم لا سکتی ہے۔

دنیا میں جس قدر تلاشِ راہ حق، ترقی اور حیات آفرین جد و جہد ہو رہی ہے ان سب سے اسلام کی تائید ہوتی ہے اور جو کوششیں اس کے خلاف ہوں گی وہ اس قابل ہوں گی کہ ان کی نفی کی جائے، انھیں ترک کر دیا جائے۔

پوری انسانی تاریخ کے اندر صرف اسلامی جہاں بینی ہی ہے جس نے انسانوں کے اندر ایک مفید و باثمر جنبش و حرکت پیدا کی اور ہم لوگوں کے سامنے حیات بخش راہیں پیش کیں۔ چنانچہ ظہورِ اسلام کے بعد آپ دیکھیں گے کہ سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی پہلوؤں میں کتنی عظیم جنبش و حرکت پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں یہ سارے تخلیقی و تعمیری کام نظر آ رہے ہیں۔

برخلاف ان نظریات کے جو دوسرے رکھتے ہیں مگر اسلام نے جس قدر غلط نظریات کا مقابلہ کیا اتنا کسی مکتب فکر نے نہیں کیا۔ کسی مذہب یا کسی گروہ نے ظالموں ستمگروں اور استحصال کرنے والوں سے اتنی پنجہ آزمائی نہیں کی جتنی اسلام نے کی۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کو کبھی کوئی ایسا نشہ نہیں دیا جس سے وہ بے حس اور از کار رفتہ ہو جائیں۔ اس نے کبھی طلب حق میں، ترقی میں اور آگے بڑھنے میں رکاوٹ نہیں ڈالی۔ اسلام نے کبھی رہبانیت اور عزلت نشینی کی تعلیم نہیں دی۔ اسلام کا نظام کبھی بھی جمود و رکود پذیر نہ رہا۔

اگر اسلام دینِ حرکت نہ ہوتا تو یہ سارے غزوات و جہاد کہاں سے پیدا ہوتے۔ دنیا کے مفسدہ پردازوں کے خلاف یہ اقدامات کہاں سے وجود میں آتے، یہ ساری حیات آفرینیاں کہاں سے دیکھنے میں آتیں؟

اگر اسلام دینِ حرکت نہ ہوتا تو اس قوم میں اتنے شہدا کہاں سے اور کیوں پیدا ہوتے اور یہ شہیدانِ راہ خدا اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لیے کیوں قیام کرتے؟

یہ لوگ اپنے دین کے لیے کیوں زندہ جاوید بنتے ــــــــ؟

ہمیں تو زندگی کے ہر گوشہ میں، تمام اوامر و نواہی میں، تمام نذارتوں اور بشارتوں میں، اسلامی جنبش و حرکت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) اسلامی فلسفۂ زندگی

اسلام کا فلسفۂ زندگی ایک فلسفۂ حیات بخش و حرکت آفرین ہے۔ یہ انسانوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس ذاتِ بے نہایت کا تقرب حاصل کرنے اور اس کی تلاش و جستجو میں ہمیشہ جد و جہد کرتے رہیں۔

چنانچہ قرآن میں ہے کہ:

"انا الیہ راجعون۔"

"ہم سب خدا تک پلٹ کر جانے والے ہیں۔"

ہماری اس زندگی کی آخری منزل اور منتہائے مقصد ملاقاتِ رب ہے۔
اور انسان اسی ذاتِ بے نہایت تک پہنچنے کی جستجو اور تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔

انسان کی زندگی کا مقصد، فقط دوڑ بھاگ یا کھانا پینا اور سو رہنا نہیں ہے یہ تمام چیزیں تو اس ذاتِ بے نہایت تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اس سب کا مقصد سیر الی اللہ ہے اللہ تک پہنچنا ہے، حقیقی عزت، خیر محض اور سعادت مطلق کا حصول ہے۔ اور یہ حقیقی عزت، یہ عظمت، انسان کو سونے، استراحت کرنے، آرام و سکون سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اسلام کا فلسفۂ زندگی، دوسروں کے فلسفہائے زندگی سے کہیں زیادہ پر بصیرت ہے۔ یہ اپنے پیروؤں کے سامنے ایک نہایت جیتا جاگتا اور وسیع میدان پیش کرتا ہے۔ پھر ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ انھیں سعی و کوشش کا شوق دلاتا ہے انھیں ہمیشہ حرکت، جنبش اور جد و جہد پر آمادہ کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ انسان اپنی منزل تک پہنچنے میں جتنی کوشش کرے گا اتنی اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو گا اور یہ کہتا ہے کہ:

ایسی ہی زندگی سعادت مندی اور بقائے دوام کی ضامن ہے۔

(۲) دعوتِ اسلامی

دعوتِ اسلامی میں بھی وہ حرکت و جنبش وہی تلاش و جستجو مکمل طور پر نظر آتی ہے اور اس سے بھی بہتر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ دعوتِ اسلامی

ایک مسلسل اور لگاتار زندہ اور جاودانی دعوت ہے۔

یہ دعوت پیغمبر اسلامؐ کی زبانِ مبارک سے شروع ہوئی۔ لوگوں کے کانوں تک پہنچی۔ پھر میدانِ کربلا سے اور اس کے بعد دیگر اولیائے کرام کی زبانوں سے وہی دعوت لوگوں نے سنی۔

پیغمبرِ اسلام کی دعوت، اللہ کو واحد اور لاشریک ماننے کی دعوت تھی پھر اس کے بعد وہی دعوت میدانِ کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے هَلْ مِنْ نَاصِرٍ کی آواز بلند کر کے لوگوں کو دی اور اس دعوت کا سلسلہ یونہی مسلسل تا قیام قیامت چلتا رہے گا۔

دعوتِ اسلام، درحقیقت زمین کو آباد کرنے کے لیے، اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے، معاشرے کی اصلاح کے لیے، حصول بلندی و شرف کے لیے، رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے ایک جنبش و حرکت کی دعوت ہے۔

اسلام، انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ خود غرضی، سرکشی، خودبینی، خود آفرینی کے خلاف وہ راستہ اختیار کرے جس سے مظلوموں اور غریبوں کو ظلم سے نجات ملے۔ معاشرہ کی اصلاح ہو، عدل و انصاف قائم ہو۔

اسلام تمام دنیا کے انسانوں سے چاہتا ہے کہ حصول سعادت کے لیے، اپنی قدر و قیمت بڑھانے کے لیے، اخلاق کی تکمیل کے لیے اور روح کی بلندی کے لیے جد و جہد کریں۔

وہ چاہتا ہے کہ انسانوں کو عدل و انصاف کی راہ پر چلائے۔ اور ان کی روحانیت میں اضافہ کرے۔

---

(۳) حرکت، زندگی کے تمام گوشوں میں

یہ جنبش اور جد وجہد انسانی زندگی کے ہر گوشے سے مربوط ہے اور اس کے فریضہ میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تکالیفِ شرعیہ کے زیر سایہ رہتے ہوئے اپنی ساری جد وجہد وسعی وکوشش کو افکار واخلاق، سیاست واقتصاد وغیرہ وغیرہ میں صرف کریں اور اس میں ترقی کر کے درجۂ کمال تک پہنچیں۔

اگر کوئی معاشرہ بالکل بے حس وحرکت ہے، اس پر جمود طاری ہے، وہ ظلم وستم سہنے کا عادی بن چکا ہے۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو حق کی آواز بلند کرنے والوں کی دعوت پر لبیک کہے۔ اگر معاشرہ اس منزل پر ہے کہ کسی مظلوم کو ظلم وستم سے نجات دلانے کے لیے حرکت میں نہ آئے تو بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس معاشرے نے روحِ اسلام کو خاطر خواہ درک نہیں کیا ہے اور اس معاشرے میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو دین سے تعبیر کیا جا سکے۔

وہ لوگ جو بغیر جد وجہد، بے حرکت وجنبش یہ چاہتے ہیں کہ انھیں کوئی جاہ ومرتبہ مل جائے، بغیر تکلیف ومشقت برداشت کیے ہوئے چاہتے ہیں کہ انھیں سرداری یا حکومت مل جائے۔ وہ یا حد درجہ جاہل ہیں یا پھر منافق ہیں، انھوں نے یقیناً اسلام کو نہیں سمجھا ہے یا یہ کہا جائے کہ وہ اسلام کو تو سمجھے ہیں مگر اس پر عمل کے لیے تیار نہیں ہیں۔

بے حسی وبے حرکتی، تباہی وبربادی کا پیش خیمہ ہے۔ ہم نے تاریخ میں اس کے نتائج بارہا دیکھے ہیں اور اس کے تجربے کیے ہیں۔ چنانچہ جب اسپین کے مسلمان بے حس وبے عمل ہو گئے تو ان کا قتل عام ہوا۔ اور اسی کے ساتھ وہاں ان کی زبان

اوران کا تمدّن بھی مٹ گیا اور دشمن ان لوگوں پر پوری طرح غالب آ گئے ۔

اسلامی جہاد اور مبارزات

اسلام نے جہاں اعتقادات اور نظریات پیش کیے وہاں اپنی پُر از حرکت تعلیمات سے جہاد اور مبارزات کے دروازے بھی کھولے اور اس کو بے حد وسعت دی ۔ اس کے دامن کو بہت پھیلایا ۔

یہ دلیرانہ اور شجاعانہ مبارزات، جہل، فقر و افلاس، مرض و استحصال اور غلامی کے خلاف تھے ۔ یہ نہتے اور غیر مسلّح مسلمان، شرک اور ظلم کے خلاف کھڑے ہوئے اور ان کی ترغیبیں اور تہدیدیں با اثر ثابت ہوئیں ۔

اسلامی تحریک درحقیقت، تحصیل علم ـــــ اخوت ـــــ مساوات، محبّت ـــــ حقیقت ـــــ فداکاری ـــــ ایثار ـــــ تقویٰ ـــــ اور شرافتِ انسانی کے لیے ایک جستجو اور کوشش تھی ۔ اور اسی کوشش سے مسلمانوں نے آپس کے کینہ ، عداوت و نفرت کو دل سے نکالا اور اس کی جگہ ان میں خلوص و صفائی قلب پیدا ہو گئی ۔

اسلامی جہاد اور مبارزات دراصل انسانی زندگی کی حیثیت اس کے شرف اور اس کی حقیقت کے دفاع کے لیے تھے ۔ اس راہ میں انھوں نے اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کیا اور اپنی ہر طرح کی قوتوں سے مدد لی ۔

اسلامی تاریخ کے اندر، اس کے شواہد بہت سے نظر آتے ہیں خود پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تاحیات یہ کوشش کی ۔ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے سچے پیرو حضرت علی علیہ السلام نے اپنی حق طلبانہ کوشش

جاری رکھی۔ اور اپنی زندگی کے پچیس ۲۵ سال خاموش احتجاج میں بسر کیے۔ پھر پانچ سال خود آپؑ کا دورِ حکومت جنبش و حرکت ہی میں گزرا۔

ان کے بعد امام حسن علیہ السلام پھر حضرت سید الشہداء امام حسین ابن علی علیہ السلام، اس کے علاوہ دیگر صحابہ و تابعین کی کوششیں بھی جدوجہد کا ثبوت ہیں۔

اس کے بعد ہمارے عصر تک مختلف گروہوں اور مختلف فرقوں نے اپنی اپنی جگہ یہ جدوجہد جاری رکھی۔

تحریکِ اسلامی کی حقیقت

یہ تحریک، یہ جدوجہد جو وحی کے اشاروں پر جاری ہوئی وہ صرف ایک اعتقاد کے زیرِ سایہ پروان چڑھی۔ وہ ایسا اعتقاد کہ جو فوراً لوگوں کے دلوں میں اثر کر کے روح کی گہرائیوں میں نفوذ کر گیا۔ یہ غلط نظاموں، ایام جاہلیت کے بے ربط آداب و رسوم، ظالمانہ حکومت، اقتصادی استحصال وغیرہ کے خلاف ایک انقلابی تحریک تھی۔

اسلام کی اس انقلابی تحریک سے، مادّی و روحانی دونوں طرح کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس نے غلط نظاموں کو ختم کیا۔ محروم طبقوں کے حقوق انھیں واپس دلائے۔ ظلم و مفاسد کو زیر کیا۔ جاہلیت کی تمام رسموں کے ختم کیے جانے کا اعلان کیا۔ یہ انقلاب صرف اس لیے نہیں آیا تھا کہ گروہ سے گروہ ٹکرائے جو ایک دوسرے کی جان لینے کے لیے تیار رہو اور ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ بلکہ یہاں اس تحریک میں اس امر کی کوشش تھی کہ ساری منتشر قوتیں

مجتمع ہو جائیں اور سب مل کر ایک طاقت بن جائیں۔ اور اس گروہ کا نام (حزب اللہ) خدا کا گروہ رکھا۔ یہ گروہ، وہ تھا جس نے تمام اعتراضات کو ایک آواز بلند کر کے ختم کیا اور تمام حق طلب طاقتوں کو متحد کر دیا اور یہ بدیوں اور بدکاروں کے خلاف میدان میں اتر آئے۔

اسلامی تحریک ایک صلح آمیز تحریک تھی جو شاہراہ ترقی پر سب کو پہنچانا چاہتی تھی۔ اس کے اس پیغام نے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ یہ سب ایک امت و قوم ہیں، ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان سب کی اصل ایک ہے۔ کسی کو کسی پر تفوق نہیں۔ اگر برتری ہے تو تقویٰ کی وجہ سے۔

اس اعتقاد و پیغام نے لوگوں کے ذہن و فکر میں ایک مثبت تبدیلی پیدا کر دی۔ دوسرے زاویہ سے اگر دیکھا جائے تو یہ تحریک ایک روحانی، اخلاقی اور انسانی تحریک تھی۔ اس تحریک کی خواہش تھی کہ دو متخاصم گروہ آپس میں دوست بن جائیں۔ دل سے دل مل جائیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے سب کے سب آپس میں برابر و برادر بن جائیں۔

اسلامی تحریک کا ماخذ

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جس طرح دیگر انبیاء کی تحریکوں کا سرچشمہ وحی ہے اسی طرح اس کا بھی سرچشمہ وحی ہے جو ہر طرح کی سیرت و کردار، قانون سازی اور اس پر عمل کا ایک پر اعتماد ذریعہ ہے۔

بے شک جو شخص وحی آنے کا دعوے دار ہوتا ہے وہ اپنی حقانیت ثابت کرنے کے لیے معجزے پیش کرتا ہے اور بانیٔ اسلام نے بھی اپنی حقانیت

کے ثبوت کے لیے بے شمار معجزات پیش کیے (جو کتابوں میں مرقوم ہیں)

یہ وحی جو سرچشمۂ تحریکِ اسلامی ہے، یہ خود ایک بہت بڑی ضامن ہے اور یہی تحریک کو آگے بڑھانے کی قوت پیدا کرتی ہے اور یہی مرتے دم تک اس تحریک کی رہنمائی کا سبب بنتی ہے۔ چونکہ یہ تکیہ گاہِ عمل نہایت قوی ہے اس لیے راہ میں مرنے اور مٹ جانے کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔

اسلام نے ابتدا میں اعتقاد سازی اور جد وجہد کرنے کی تربیت دی اور مسلمانوں میں روحانیت اور اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد اقتصادی وسیاسی و اجتماعی وعسکری جہاد شروع کیا اور اسی کے زیر سایہ حکومت و سلطنتِ اسلامی اور تمدن اسلامی وجود میں آئے۔

سرمایۂ تحریکِ اسلامی

مندرجہ بالا حقائق سے یہ امر واضح ہو چکا کہ اس تحریک کا اصل عامل ایک اندرونی قوت ہے۔ بالفاظِ دیگر یوں سمجھیے کہ مسلمانوں میں اور خصوصاً صدرِ اسلام کے مسلمانوں میں یہ حرکت و جد وجہد ایمان سے پیدا ہوئی اور پھر اس منزل پر پہنچی کہ اپنے وقت کے بہت سے موسیٰ اپنے زمانے کے فرعونوں سے ٹکرائے۔ اپنے وقت کے بہت سے ابراہیم اپنے زمانے کے نمرودوں کے مدمقابل آ گئے۔

اس ایمان نے جو انسان کے قلب کے اندر رہتا ہے اس کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے تمام آلام ومصائب برداشت کرسکے اور اس میں کوئی سستی یا تساہلی سے کام نہ لے۔ تمام تکالیف کو آسانی

سے برداشت کرے یہانتک کہ موت سے بھی ہمکنار ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔

تحریک اسلامی، اعتقادی گوشے سے پیدا ہوئی اور اسی کے زیر سایہ تشکیل پائی اور ایسی تشکیل پائی کہ اس نے اپنے افراد کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔ اس نے اپنے روابط کو ایسی صحیح اور علمی بنیادوں پر قائم کیا کہ دنیاوی محرومیوں کو جھیل لینا آسان ہوا اور انسان ابدیت کی بلندیوں کو چھو لے۔

ایسی صورت میں حرکتِ اسلامی کے لیے خارجی اسباب بالکل بے حقیقت اور ناچیز ہو کر رہ گئے۔ یعنی حصول مال غنیمت ان کے لیے جنگ وجہاد کا سبب نہیں۔ نام ونمود کی خواہش نے علامہ کلینی کو تحقیق وتدوین حدیث پر آمادہ نہیں کیا۔ شہرت و نام آوری نے حجر بن عدی کو اس پر تیار نہیں کیا کہ ان کے ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے ہوں اور اپنی قبر کے کنارے کھڑے ظالم کی تلوار کا انتظار کریں۔

یہ ایک اندرونی سبب تھا جس نے روح کو ہر قید وبند سے رہا کر دیا۔ ہر فکر واندیشہ سے آزاد کر دیا تاکہ وہ پوشیدہ استعداد وفعلیت کا لباس پہنے اور حصول سعادت کے لیے از سر نو جد وجہد اور کوشش کرے۔

اسلامی تحریک اور قرآن مجید

دراصل اس اسلامی تحریک کی بنیاد قرآن ہے۔ وہی قرآن جو اس وقت ہمارے اور آپ کے ہاتھوں میں ہے اور ہم سال میں چند بار جس کی تلاوت اور دورہ کرتے ہیں۔
وہی قرآن جس کو سن کر ایام جاہلیت کے عربوں کے دل لرز اٹھے۔ مگر

ہمارے اور آپ کے دل اس کو پڑھ کر نہیں لرزتے۔ وہی قرآن جس کی آیات کو وہ لوگ پڑھتے اور سمجھتے تھے اور اسے مشعل راہ بناتے تھے مگر آج ہم لوگ صرف اس کی قرائت کو سُن کر دل خوش کر لیتے ہیں۔ نہ اس کو سمجھتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن اس ابتدائی دور میں مشعل راہ تھا۔ ایسا نہ تھا کہ صرف احساسات محبت آمیز کا اظہار رہو اور معرفت سے خالی ہو۔

درحقیقت پورا قرآن ہر طرح کی حرکت و جنبش کا بہترین سرچشمہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کی تقدیر کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی تقدیر کو نہ بدلنا چاہے اور اس کے لیے جدوجہد نہ کرے۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے راہِ خدا میں جہاد نہیں کرتے۔"

اور محض اس لیے کہ مسلمان موت کے خوف سے کہیں راہِ حق پر چلنے سے باز نہ آجائیں اور جان دینے میں دریغ نہ کریں قرآن مجید یہ خوشخبری بھی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی جانوں کو بہشت کے عوض خرید لیتا ہے۔ راہِ خدا میں اپنے جان و مال کا خرچ کردینا بہترین سوداگری اور تجارت ہے اور یہ ایک ایسا گوشہ ہے کہ ہم لوگ پوری تندہی سے کام لیں۔

اس تحریک کی دوسری بنیاد سنّت ہے۔ یعنی قول و فعل و تقریر معصوم ہے۔

اس لیے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"جو کچھ ہمارا پیغمبر تم کو دے اسے لے لو اور
جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔"

اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ انسانی عقل و شعور و صلحاء و علماءِ امت کی رائے اور مشورہ بھی ہو سکتا ہے جو حرکت و جنبش و جد و جہد و سعی و کوشش کا سبب بن سکے۔

اسلامی تحریک کا ہدف اور مقصد

اس تحریک کا ہدف اور مقصد بہت وسیع الذیل ہے۔ یہ زندگی کی اصلاح اور امور حیات کی درستی پر مشتمل ہے۔ اس کا ہدف اور مطمح نظر حق کا قیام، عدل کا استقرار اور محروموں کے مفاد کا تحفظ اور مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانا ہے۔

اسلام اپنی تحریک میں یہ چاہتا ہے کہ زندگی کا ایک جدید مفہوم پیش کرے۔ ایسا مفہوم کہ جس میں حیات، موت سے مشابہ نہ ہو۔ لوگوں کو ایسا جھنجھوڑا جائے کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں، اپنے حقوقِ زندگی کو پہچانیں اور یہ سمجھ لیں کہ انسان انسان ہے (جانور نہیں ہے) اور اس کے ثبوت کے لیے فرداً فرداً ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیے۔

اس تحریک کا ہدف اور نصب العین یہ ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی ہر قسم کے فتنہ و فساد سے پاک ہو۔ شرک و بت پرستی اور سرکشی سے کنارہ کش ہو الٰہی نظام کی بنیاد پر اس کے تمام روابط استوار ہوں۔ اس دنیاوی زندگی میں رہ کر اخروی زندگی کی راہیں ہموار کر لی جائیں۔

اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو حرکت میں لایا جائے جو پرجوش و پُرحرارت ہوں، بیدار مغز ہوں اور ان میں شوریدہ سری ہو تاکہ اس کے زیرِ سایہ لوگ قیامِ حق و استقرارِ عدل کے لیے اٹھیں اور تاریکی و ظلم و جور کے خلاف جہاد کریں۔ ان غلط نظاموں کو ختم کردیں جو دنیا کو فقر و جہل اور طرح طرح کی خرافات میں مبتلا کیے ہوئے ہیں۔ اور محروموں و مظلوموں کے ہاتھوں کی ہتھکڑیوں کو کاٹ دیں اور دنیا میں ہر طرف عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔

اسلامی تحریک، محروموں اور مظلوموں کو نجات دلانے والی ایک باہدف و بامقصد تحریک ہے اور ایسی بامقصد کہ پیغمبرِ اسلامؐ چاہتے تھے کہ اس کے لیے اپنی جان کی بازی لگادیں اور لوگوں کے ایمان لانے اور ان کے ذہن و فکر کو آزادی دلانے کی تمنا میں اپنی جان دیدیں۔ لوگوں کو مدافعتی پہلو اختیار کرنے کی تلقین کریں۔ طاغوت پرستی اور خدائے وحدہٗ لاشریک سے بے خبری لوگوں میں باقی نہ رہے۔ عدالت پیدا ہو، مساوات کا رواج ہو اور لوگوں کی حرکت و جدوجہد کا سبب بن سکے۔

اسلامی تحریک وہ بامقصد تحریک ہے جس میں انسان دوستی کی تعلیم ہے۔ انسان کی فلاح وبہبود کا خیال ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ لوگ مرفۃ الحال ہوں، آرام و آسائش سے زندگی بسر کریں۔ وہ لوگوں کو انفرادی و اجتماعی زندگی کے آداب سکھانا چاہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ لوگوں میں ان کے فرائض تقسیم ہوجائیں۔ حد اعتدال میں رہتے ہوئے ثروت و دولت بھی رکھیں۔ آئندہ کے امکانات سے فائدہ اٹھانے کے لیے مساوات کو سامنے رکھیں۔ صلح و سلامت روی کے ساتھ باہم مل جل کر ایک ساتھ زندگی بسر کریں اور

ترقی کے راستے پر گامزن ہوں۔

اس تحریک کا مقصد تعمیری ہے اور وہ بھی عبادت واخوت واتحاد کے زیرِسایہ تعمیر، جس کے نتیجہ میں ایسے سلاطینِ جور اور سرداروں سے دنیا کو پاک کرنا جو خود کو خدا سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ مخلوقات پر برتری جتانا اور ان پر حکومت کرنا ہمارا پیدائشی اور فطری حق ہے اسی لیے اسلام نے سیاسی، اقتصادی، لسانی، اور عدالتی امور قرآن کے مطابق رکھے اور وہ اسی لیے آیا کہ دنیا میں عادلانہ نظام قائم کرے۔

اسلام چاہتا ہے کہ عبادت کے ذریعہ ایسی نسل تیار کرے جو خداپرست زورآزما، مجاہد، رہنما، عالی ہمت اور راہِ ترقی وکمال پر گامزن ہو۔ ایسی نسل جو سیاست ومعاشرت واقتصاد کو بدل دینے پر قادر ہو۔ اور ایسا نظام قائم کرے جو خداپسند ہو، جو ترقی کرے اور بلندیوں تک پہنچے۔

اسلامی تحریک کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ ہر طرف بلوے اور فساد شروع ہوجائیں اور پُرتشدد اور خوفناک تبدیلی رونما ہو۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ ایک قوم دوسری قوم پر تسلط قائم کرے۔ کسی کی حق تلفی ہو اور باطل رواج پائے۔ باہمی اختلاف و فتنہ وفساد پھوٹ پڑے۔

بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو اتنا آمادہ کردیا جائے کہ اس دنیا کے اسرار وحقائق کو درک کرسکے، اپنے فرائض انجام دے، عدل وحکمت پھیلانے ترقی کے مواقع فراہم کرے۔ تمام شعائر روح پرور بن جائیں۔ خواہشات پر اخلاقیات کی حکومت ہو، ہر طرف تعمیری کام ہوں۔ تمام انسان معرکہ جدوجہد میں فاتحانہ انداز سے آگے بڑھیں۔

جہت وسمتِ حرکت

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اس حرکت کا رُخ ایک طرف محرومین ومظلومین کے مفاد کی حفاظت، مختلف طبقات کے درمیان اعتدال پیدا کرنا اور انسانیت کے ساتھ زندگی بسر کرنا تھا۔

مگر مسلمانوں کا ناحق وناروا لوگوں سے سخت مقابلہ ہوا۔ پھر وہ حق تک پہنچنے کے راستے سے ساری رکاوٹوں کو دور کرنے اور لوگوں کے راستہ میں جو مفاسد موجود تھے ان کی تلاش وتحقیق میں لگ گئے۔

اور دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اسلامی تحریک کی حرکت ورفتار کا رُخ آگے کی سمت ہے۔ وہ حق وناحق کے درمیان محافظہ کاری کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک موسیٰ اپنے دین پر رہیں اور عیسیٰ اپنے دین پر رہیں قابلِ قبول نہیں۔

جنگِ اُحد میں لوگوں نے یہ خبر اڑادی کہ محمدؐ قتل کر دیے گئے تو مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ:

"کیا اچھا ہوتا اگر ہم لوگ ابھی چل کر ابوسفیان سے امان حاصل کر لیتے۔"

ابھی مسلمان اسی انتشارِ ذہنی میں تھے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی طرح ایک بلند ٹیلے پر پہنچے اور آواز دی:

"میدان سے نہ بھاگو ابھی میں زندہ ہوں۔"

اور اسی وقت یہ آیت جو پہلے آپؐ پر نازل ہوچکی تھی۔ اس کی تلاوت کی:

"محمدؐ بھی ایک رسول ہیں جس طرح اس سے قبل
بہت سے رسول گزر چکے۔ اگر یہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں
تو کیا تم لوگ اپنے پچھلے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے؟"

مطلب یہ ہے کہ اسلام میں حکم آگے بڑھنے کا ہے پیچھے ہٹنے کا نہیں ہے خواہ محمدؐ زندہ رہیں یا انتقال کر جائیں۔ یہاں پیچھے مڑنا نہیں ہے۔ اسلام میں پیچھے پھرنے کا وجود ہی نہیں حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی کسی مسلمان کو حق نہیں کہ وہ دشمن کے مقابلہ سے منہ پھیرے۔

اسلام میں حرکت آگے کی طرف بڑھنے کے لیے ہے۔ اس میں بہتے ہوئے پانی کی روانی ہے۔ لیکن اس میں یہ روانی ناسمجھی کی نہیں ہے بلکہ عقل و دانائی کے ساتھ ساتھ ہے اور عقل کا اتنا ساتھ ہے کہ گویا ان کی تلواریں بھی آنکھ رکھتی ہیں (دیکھ بھال کر چلتی ہیں)

"وحملوا ابصارھم علی اسیافھم"[ا]

اسلام کی حرکت کمال کی جانب ہے اور وہ بھی اس کمال کی جانب جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اس لیے اس کو ماننے کے بعد پھر اسے مسترد کر دینا، اس سے پلٹ جانا، قابلِ سزا اور کفر میں مبتلا ہونا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس جرم کو قابلِ سزا فرمایا ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے جو خطوط معاویہ کو لکھے اس میں اس امر پر اس کی سخت سرزنش کی۔

وہ ابتدائی دور جبکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تنہا تھے۔ آپؐ کے پاس

ا۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۴۸

کوئی اسلحہ نہ تھا مگر تمام مزاحمتوں اور مخالفتوں کے سامنے جمے رہے اور اپنے اصحاب کو بھی یہ حکم دیتے رہے کہ آگے بڑھو اور انھیں بتاتے رہے کہ تمھاری اسی حرکت و جنبش کے روبرو عرب و عجم سب مغلوب ہو جائیں گے۔

آپ صلعم مسلمانوں کو حکم دیتے رہے کہ آگے بڑھیں اور اوہام کے قید و بند سے طرح طرح کے خرافات سے، مادی تمدن سے، پریشانیوں سے، غفلت سے خود کو رہائی دلائیں اور عدل وانصاف و صلح و آشتی کا رُخ کریں۔

بنیادی طور پر اسلامی نظام ایک متحرک اور رواں دواں نظام ہے۔ یہ زمانے اور اس کے مقتضیات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ مثبت نظامِ عمل کی موافقت بھی کرتا ہے۔ یہ اپنے اجتماع میں پا بہ پیادہ رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے اور وہ بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ۔

چٹانوں کے دلوں میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ پستی سے بھی آواز دیتا ہے اور بلندی سے بھی۔ اور کوشش کرتا ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں حق طلبانہ جد و جہد ہو رہی ہے ان سب کی مدد کرے۔ ان کی پکار پر دوڑ پڑے۔ اور ان کے ہم دم اور ہم قدم ہو جائے۔

اسلامی تحریک کا انتہائی مقصد

اسلامی تحریک کا آخری اور انتہائی مقصد اس نقطۂ عروج پر پہنچنا ہے جہاں ہر شے لامحدود و بے نہایت ہے، اخلاق، کمال، مہربانی، محبت، خلاقیت، آسائش، رفاہ، امن و امان و بحیرہ وغیرہ۔ اس کا توحید کی چوٹی پر پہنچنا مقصود ہے۔ اس منزل پر پہنچنا جہاں کسی نافرمانی و عصیاں کا وجود نہیں

نہ وہاں سرکشی وطغیانی نظر آتی ہے نہ کوئی نقص وکوتاہی۔

حصولِ کمال اور منزل بے نہایت ولا محدود تک پہنچنا ہی خلقت کا اصل مقصد ہے اور یہ امر ہے کہ جو تمام موجودات میں نظر آتا ہے۔ مگر انسان کے اندر یہ چیز اس کے ارادے اور اختیار پر منحصر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم ہمہ وقت سفر میں رہیں اور محبوب کی راہ میں قدم بڑھاتے رہیں اور محبوب کا انتہائی لطف وکرم ہو اگر وہ ہماری دستگیری کرے اور اس راہ کے طے کرنے میں ہمیں مدد دے۔

انتہائی مقصد اللہ تک پہنچنا ہے مگر اس طرح کہ ہماری نماز، ہماری ساری عبادتیں، ہماری حیات، ہماری موت، سب اسی کے لیے ہوں اور اسی کی راہ میں ہوں انھیں بنیادوں پر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام ہم سے ایسی حرکت کا مطالبہ کرتا ہے جو دریاؤں میں ہوتی ہے اور ہم سب چھوٹے چھوٹے دریاؤں کی طرح آپس میں مل کر ایک عظیم سمندر کی شکل اختیار کر کے ابدیت کے اوقیانوس کی طرف رواں دواں ہو جائیں۔

مگر اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم راہِ عمل کو نہ چھوڑیں اور صرف محرابِ عبادت میں نہ بیٹھے رہا کریں۔ رشد وہدایت اور ترقی کی راہوں سے بے خبر نہ ہو جائیں۔ اپنے کو گرا نہ لیں۔ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے نہ ہٹنے جائیں۔ ترقی کے بجائے پستی اور انحطاط کی طرف نہ مائل ہو جائیں۔

مگر ان سب کا دار و مدار علم وآگاہی، ایمان اور خلوص بے شائبہ پر ہے، راہِ خدا میں چلنے کے لیے بھی ہنر وفن کی ضرورت ہے۔ اور اس تک پہنچنے کے لیے بھی امکان واستعداد چاہیے۔ اس روحانی اور انقلابی مقصد تک پہنچنے کے لیے لازم ہے کہ خود کو وجود میں لائیں۔ خود بالکل خالص ہو جائیں، خود اپنی تطہیر کریں تاکہ صعود اور

پرواز کا امکان پیدا ہو سکے۔

اسلامی تحریک کی وسعت و آفاقیت

وہ تحریک جو اسلام نے پیدا کی وہ ایک نہایت قلیل مدت میں ہر طرف پھیل گئی اور مختلف ممالک میں پہنچی اور وہ تمام انسانی مسائل جو حیاتِ بشر سے متعلق تھے وہ سب کے سب اس تحریک کے زیر سایہ آ گئے۔ اس تحریک کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے:

(۱) جغرافیائی وسعت

اسلامی تحریک نصف صدی سے بھی کم مدت میں، اور وہ بھی اس دور میں جبکہ ذرائع روابط دشوار تھے۔ ایک طرف ایران ایسا طاقتور ترین ملک اس کے زیر نگیں ہو گیا اور دوسری طرف سلطنتِ روم کو اس نے اپنے ماتحت کر لیا۔ علاوہ بریں ابھی اسلامی سلطنت کو قائم ہوئے ایک قرن بھی نہ گزرا تھا کہ اسپین اس کے قلمرو میں شامل ہو گیا۔ مسلمان تقریباً ۴۵ کلومیٹر پر پیرس کے اندر قابض ہو گئے اور ایشیا و یورپ کے بہت بڑے حصے بلکہ افریقہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

(۲) اسلامی تحریک کا تعمیری پہلو

اسلام مندرجہ بالا ممالک میں داخل ضرور ہوا مگر اس نے وہاں کے لوگوں کا استحصال کبھی نہ کیا۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکا ان کی تعمیر اور آبادی کی کوشش کی۔ مدرسہ، حمام اور مساجد بنوائیں اور اسلامی و انسانی تمدن کی ان ممالک میں بنیاد رکھی۔ آجکل کی دنیا جو خود کو متمدن کہتی ہے۔ اس کا یہ تمدن صرف اس کا نتیجہ ہے

کہ ایک طاقتور اور متمدن ملک، کمزور ملک پر قابض رہا اور وہاں اس نے سوائے فقر و تنگدستی، جہالت و بیماری، بدبختی و بدنصیبی کے اور کچھ نہیں چھوڑا اور اگر کبھی کسی غریب نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی تو اسے اپنے وحشیانہ پنجوں سے پکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا گیا لیکن اسلام نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

اسلام ان ممالک میں نسیم سحری بن کر پہنچا۔ آندھی وطوفان بن کر نہیں۔ اسلام وہاں نعمت بن کر پہنچا، مصیبت و زحمت بن کر نہیں۔ اسلام ان لوگوں کے لیے سراپا رحمت بن کر پہنچا، عذاب اور بلا بن کر نہیں۔

اس کے عمل کی شعاعیں دیوارِ چین سے لے کر مدائن تک اور دوسری طرف روم تک پہنچیں، مگر اس نے ان میں سے کسی کا استحصال نہیں کیا۔

(۳) اسلامی تحریک کا روحانی پہلو

اسلامی تحریک، انسان کو انسان سے نزدیک کرنے اور باہم متحد کرنے کی ایک تحریک تھی اور اس نے اس کا ثبوت فراہم کیا کہ تمام انسان جسدِ واحد کے مانند ہیں سب بھائی بھائی ہیں، سب برابر ہیں۔ یہاں کالے اور گورے اور عرب و عجم کا کوئی فرق نہیں اس نے عدل و مساوات و اخوت قائم کرنے کی کوشش کی، تمام آزادی پسند تحریکوں کی مدد کی اور تمام انسانوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔

اسلام نے دین کو نشہ نہیں بلکہ عدل اور حق کا قائم کرنے والا بنا کر پیش کیا۔ لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ اس مقصد کے حصول کی کوشش کریں اور یہ بات اسلام کے تمام مقبوضہ ممالک میں موجود تھی۔ خواہ وہ فراعنہ کی سرزمین ہو یا دوسرے خطّے ہوں اور اس طرح تعلیم دی کہ لوگوں کے دل لرز اٹھے۔ اس دینی تحریک کی موجوں

نے سب کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

۴ اسلامی تحریک اور حیاتِ اجتماعی

وہ تمام مسائل کہ کسی نہ کسی طرح جن کا تعلق قوم وملت یا بشریت سے تھا وہ سب اسلامی مسائل کی روشنی میں حل کیے جانے لگے، خواہ وہ مسائل اقتصادی ہوں یا سیاسی، معاشرتی ہوں یا لسانی وثقافتی، ان سب میں تبدیلیاں کیں، جہالت و غفلت پر قابو پایا۔ استحصال کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔

اسلام نے کبھی لوگوں کے افکار کو مُردہ بنانے کی سعی نہیں کی۔ لوگوں کے دل ودماغ کو بیڑیاں نہیں پہنائیں۔ برخلاف استحصال کرنے والے طاقتور ملکوں کے اسلام نے وہاں کے لوگوں کو حرکت سے خالی، بالکل ساکن اور پتھر کا انسان بنانے کی سعی نہیں کی بلکہ اس امر کی کوشش کی کہ لوگوں کو بیداری عطا کرے، انھیں اس کی ہدایت کی کہ وہ انسانی مسائل پر نظر رکھیں، اپنے حقوق معلوم کریں اور دشمن کے مقابلہ میں پوری قوت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں ــــــــــــــ

ــــــــــــــ دعا اور مناجات کے وقت بھی ان کے ہاتھ اسلحے سے خالی نہ ہوں

اس اسلامی تحریک میں مادیت اور روحانیت کو اس طرح مخلوط کر دیا گیا کہ اب جنگ ہے تو راہ خدا میں ہے ــــــــــــــ احقاقِ حق کے لیے ہے۔

بہت سی مادیت، عبادت میں شمار ہونے لگی ــــــــــ اللہ کی راہ میں قتل شہادت میں محسوب ہونے لگا۔ اور ہم اس کا حقیقی منظر شب عاشور میں دیکھتے ہیں کہ:

اصحاب حسینی میں سے کچھ لوگ خیموں کے اندر اور کچھ خیموں کے باہر ہیں ——— کچھ مناجات و دعا میں مشغول ہیں ——— کچھ اپنے اسلحے تیز کر رہے ہیں۔

اور کچھ لوگ ———

دعا و مناجات بھی کرتے جاتے ہیں اور اپنے اسلحے بھی تیز کرتے جاتے ہیں۔ بیک وقت دونوں طرح کی عبادتوں میں مشغول ہیں۔
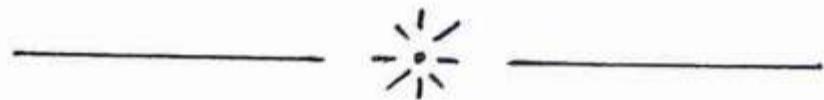
اس تحریک کے قائد کی مثالی شخصیت

اس تحریک کے موجد و رہبر و قائد وہ ذاتِ گرامی ہیں جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ہمارے زمانے میں مسلم معاشرے میں خواہ ان کا عمل اور ان کی سنت قابلِ احترام ہو یا نہ ہو لیکن ان کا نام ضرور قابل احترام ہے۔

آپؐ کے ظہورِ اقدس نے ایک قیامت برپا کر دی اور تاریخِ بشریت میں ایسی ہلچل مچائی کہ جس کی لہریں آج تک ہمیں سطحِ عالم پر نظر آتی ہیں۔

اب بھی خدا کا شکر ہے کہ کچھ ایسے دل ہیں جو آپؐ کا نام سنتے ہی یا آپؐ کی یاد آتے ہی بے چین و بے قرار ہو جاتے ہیں اور اس وقت بھی تقریباً آٹھ سو ملین مسلمان آپؐ کے احکام کے تابع اور آپؐ کی تعلیمات سے واقف ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذریعہ وحی حکم ربانی پانے ہی ایک عظیم قیامت برپا کر دی اور اپنی نبوتی زندگی کے دوران مسلسل اس تحریک کی قیادت فرمائی۔

اور اسے آگے بڑھایا۔

آپؐ خود اس تحریک کے کامل نمونہ تھے۔ آپؐ، لوگوں کے اس تحریک پر ایمان لانے کے بے حد متمنی تھے اور وہ بھی اس حد تک کہ آپؐ اس کی جستجو اور تلاش میں رہتے کہ کاش کوئی ایسا ہو جو ایمان لائے۔ اس کے لیے آپؐ اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیتے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس سعی و کوشش کو دیکھتے ہوئے ازراہِ شفقت و مہربانی یہ فرمایا:

"اے رسولؐ میں نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم اپنے آپ کو اس طرح محنت و مشقت میں ڈال دو اور غیر معمولی اور حد سے زیادہ رنج و تکلیف میں خود کو مبتلا کرو۔"

آپؐ نے انسانیت کے تمام مسائل اور امور میں رہبری کی ذمہ داری لی تھی، خواہ وہ امور سیاسی ہوں یا اجتماعی، اقتصادی ہوں یا اخلاقی اور مذہبی۔ ان تمام امور میں آپؐ خود ایک نمونۂ کامل اور ایک مثالی شخصیت تھے۔ ان تمام امور کو سنجیدگی کی میزان پر تول کر فیصلہ فرماتے اور باحسن وجوہ اس کو حل فرماتے۔
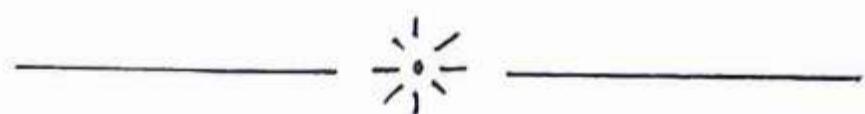
تحریک کی عملی شعاعیں

تحریک اسلامی نے شروع شروع میں اپنے معاشرے کے اندرونی حالات کی اصلاح کو پیش نظر رکھا اور کوشش کی کہ اپنے معاشرہ کے اندر کے نقص اور کمی کو پورا کرے، بے سروسامانی کو دور کرے، معاشرے کے حالات جو بے حد درہم و برہم اور آلودہ ہیں انھیں درست کرے اور یہ وہ کام ہے کہ جو دورِ نبوت اور اس کے بعد دورِ خلافت میں بھی ہوتا رہا ہے۔

جب داخلی امور درست ہو گئے تو اب مدنی دور آیا اور وہاں پہنچ کر حکومت قائم ہوئی۔ اب تمام کوششیں آزادیٔ بشر کے لیے جہاد اور امورِ بشر کی اصلاح اور درستی کے لیے شروع ہوئیں۔

اسلام کبھی ایک خطہ خاص یا کسی ایک زمانہ میں یا کسی ایک مقام پر محصور و منجمد نہیں رہا۔ بلکہ اس نے یہ کوشش کی کہ اپنے خطہ کی اصلاح کے بعد دنیا کے ان خطوں کی بھی مدد کرے جو اس کی مدد کے محتاج ہیں۔

اسلام میں جہادِ آزادی کا مطلب ہی یہ ہے کہ ساری روئے زمین میں جہاں جہاں مستضعف اور مظلوم آباد ہیں ان کو ظلم سے نجات دلائی جائے. خواہ وہ اسلام کے پیرو ہوں یا نہ ہوں۔

اسلام ہمیشہ پہلے زبانِ پند و نصائح سے کام لیتا ہے مگر جب طاقت کا استعمال لازمی ہو جائے تو مسلح ہو کر آگے بڑھتا ہے تاکہ حق کا پیغام لوگوں تک پہنچائے اور انھیں سمجھائے کہ اس دنیا میں ان کا کتنا حصہ اور کتنا حق ہے، انھیں اپنے حق کے حصول کے لیے کیا کرنا اور کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اسلام کے پیشِ نظر جو چیز ہے وہ بہت وسیع اور طویل ہے۔ اس کی نظر میں ایک منجمد اور محدود مکتبۂ فکر سے بھی کوئی فروں تر چیز ہے۔ اس کی نگاہ میں دنیا کے تمام خطے اور تمام وہ انسان ہیں جو مشرق سے مغرب تک بستے ہیں اور بد دلی کی زندگی یا نیم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اسلام اس راہ پر بہت تیزی سے گامزن ہے۔ وہ ایک لمحہ کو بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اسے بھی غنیمت سمجھتا ہے، اس کی کوشش ہے کہ ایک دن بلکہ ایک ساعت میں عالمِ بشریت کو قید و بند، اسیری اور ظلم کی بھینٹ چڑھنے سے نجات دلائی جائے۔
ظاہر ہے کہ یہ کام سب سے پہلے اپنے ملک کی سطح پر پھر ہمسایہ ممالک کی سطح پر انجام پاتا ہے۔

تحریکِ اسلامی کی خصوصیات

اب تک جو کچھ تحریکِ اسلامی کے متعلق عرض کیا گیا وہ کم و بیش اس کے اطراف واکناف اور خصائص تھے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ مختصر طور پر اس کی چند خصوصیات بیان کریں تاکہ مسائل ترتیب وار اور ایک نظم کے ساتھ سامنے آئیں۔

(۱) تحریک کا آگاہانہ ہونا

اسلام کی دعوت، انسان کی دانش و بینش اور بصیرت کو دعوت دینا ہے اور ان تمام مسائل کے گردوپیش سے آگاہ کرنا ہے جس میں وہ انسان کو اپنا شریک و سہیم بنانا چاہتا ہے۔ اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ لوگ آنکھ بند کر کے اس کے نظریات کو تسلیم کریں اور اس کی باتوں کو بے چون و چرا مان لیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

"ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ"

" میں اللہ کی طرف بربنائے بصیرت دعوت دیتا ہوں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا رہنما کسی سیاسی پارٹی یا گروہ کا لیڈر نہیں جو یہ چاہتا ہو کہ کسی صورت سے اپنی پارٹی کے ممبران کی تعداد بڑھائے اور لوگوں کو بھیڑ بکریوں کا گلہ سمجھے اور انھیں ووٹ دینے پر آمادہ کرے۔

اسلام یہ کوشش کرتا ہے کہ پہلے انھیں یہ بتا دے کہ وہ کس گروہ میں کس مقصد کے لیے شرکت کر رہے ہیں اور اس شرکت سے ان کا مقصد کیا ہے۔ وہ ابتدا ہی میں لوگوں کو بتا دیتا ہے کہ ہم کیا کہتے ہیں اور ہمارا مقصد کیا ہے۔ اور جو کہتا اور بتاتا ہے وہ انتہائی وضاحت کے ساتھ۔ اس میں کوئی ابہام نہیں رکھتا تاکہ لوگوں کو خود بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ ان کے سامنے ظاہر اور آشکار رہے۔

(۲) تحریک کا نظریاتی "IDEALOGICAL" ہونا

اسلامی تحریک ایک نظریاتی (IDEALOGICAL) تحریک ہے۔ جس کی بنیاد ایمان و عقیدہ پر استوار ہے۔

اسلام نے اپنی فکری، عملی اور زبانی تحریک پیش کرنے سے پہلے اس امر کی کوشش کی ہے کہ اس کے لیے دلوں میں عقیدہ کی زمین فراہم کر دے۔ اس لیے پہلے دلوں میں ایک آئیڈیل اور ایک نظریہ پیدا کرتا ہے اس کے بعد لوگوں سے اس امر کا خواہاں ہوتا ہے کہ وہ آئیڈیل اور نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس تک پہنچنے کے لیے حرکت اور سعی کریں۔

اس اعتقادی اور نظریاتی پہلو کی موجودگی کی وجہ سے جو جد و جہد ہوتی ہے وہ تمام پابندیوں اور ذمہ داریوں سے بالکل آزاد نہیں ہوتی۔ نیز اپنے نظریہ کے مقررات

یا اس کے وقار اور عزت کے خلاف نہیں ہوتی۔ یہ جدوجہد سطحی طور پر یا گراں گزرنے والی نہیں بلکہ یہ اپنے وجود اور اپنی زندگی کا ایک جزو بن کر آگے بڑھتی ہے۔

چونکہ یہ عہد بندہ کا خدا سے ہوتا ہے اور اس حرکت و جدوجہد کا اصل محرک خود اس کا ضمیر ہوتا ہے اس لیے اس میں سہل انگاری، خیانت، مکر و فریب، دغابازی و غداری کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس میں سستی اور اہمال سے کام نہیں لیا جاتا اور انفرادی اور شخصی طور پر اپنا حساب کتاب برابر نہیں کر لیا جاتا۔ کوئی حیرانی کوئی پریشانی، کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ انسان آگے بڑھتا ہے اس میں کوئی ٹھہراؤ کوئی جمود نہیں ہوتا۔

(۳) انقلاب کے ساتھ

اسلام سب سے پہلے دلوں میں ایمان کی تخم ریزی کی کوشش کرتا ہے بے قراری اور جرأتمندانہ خیالات پیدا کرتا ہے اور قلوب کو ایسا بنا دیتا ہے جو محبتِ الٰہی سے لبریز اور اپنے فرائض کے احساس سے سرشار ہوں۔

وہ ایمان اور عقیدہ کی بنا پر ایسی قیامت برپا کرتا ہے کہ انسان بے قرار ہو جاتا ہے اور صحیح راستے پر لگ جاتا ہے۔ میدانِ جنگ میں جاتا ہے، جنگ کرتا ہے، جدوجہد کرتا ہے، دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے اور اس میں اس کو اپنے سر، پاؤں کی بھی خبر نہیں رہتی۔

اسلام نے ایسے ایسے سرفروش پیدا کیے ہیں جو فکری اور نظریاتی محاذ جنگ میں اپنے سر و پاؤں کی خبر نہیں رکھتے تھے، دشمن کے نیزوں کے سامنے اپنے سینوں کو سپر بنا لیتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انھیں نیزوں کے زخموں سے کوئی تکلیف

ہی محسوس نہیں ہوتی ۔ وہ تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے تھے ۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر زندہ رہ گئے تو فتح سے ہمکنار ہوں گے اور اگر مر گئے تو سیدھے جنت میں پہنچیں گے ۔ اور وہ بھی اس جنت میں نہیں کہ جس میں صرف حور و قصور ہوں بلکہ اس جنت میں جس کے اندر خوشنودی خدا حاصل ہو اور خوشنودی اور رضائے الٰہی تو تمام نعمتوں سے بالاتر ہے ۔

" ورضوان من اللہ اکبر "

" اللہ کی تھوڑی سی رضا بھی سب سے بڑی چیز ہے "

یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس سے فرعون و قیصر و کسریٰ کے محل لرز اٹھے ۔ ظلم اور اہل ظلم بڑے خطرے میں پڑ گئے ۔ طاغوتی نظام کو خطرے کے احساس نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہم لوگ ایک ایسی لم یزلی اور لا یزالی طاقت سے ٹکرا رہے ہیں کہ جس کا مقابلہ ممکن ہی نہیں ہے ۔ اس لیے ان کا دل اندر ہی اندر بیٹھ گیا اور وہ ختم ہو گئے ۔

④ حرکت کے متعدد خطوط

حرکتِ اسلامی وہ حرکت ہے جو ہر پہلو اور رُخ سے آگے بڑھ رہی تھی اس کا سفر صرف ثقافتی انقلاب کی راہ پر نہ تھا بلکہ اس کی یہ بھی کوشش تھی کہ اس حرکت کے ساتھ لوگوں میں حریت ، خوشحالی ، علم ، زیبائش اور کمال بھی پیدا ہو ۔ ان میں انسانیت پیدا ہو ، صالح نظامِ حکومت قائم ہو ، ان کے اقتصادیات درست ہوں ۔ زندگی کے ہر گوشے میں مکمل طور پر نیکی اور بھلائی نظر آئے ۔

حرکتِ اسلامی ایک جانب تربیتی جد و جہد ہے ۔ جس میں تعمیر اور

تعمیرِ نو مضمر ہے۔ دوسری جانب یہ ایک انقلابی عمل ہے جس سے استحصال اور جسمانی وفکری غلامی دور ہوتی ہے۔ تیسری جانب اقتصادی جدوجہد ہے جس سے مالی اور اقتصادی حالت درست ہوجاتی ہے۔ چوتھی جانب معاشرتی اصلاح ہے جس سے انسانیت کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور اسی طرح اخلاقی، انتظامی اور عباداتی جدوجہد کا پہلو بھی موجود ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے پیش نظر صرف ایک راستہ یا کوئی ایک ہی مسئلہ نہیں ہوتا۔ یہ کوئی ازم نہیں کہ جب وہ اپنے اقتصادی یا انتظامی یا سیاسی مقصد کو پورا کرے تو خود کو فارغ البال محسوس کرنے لگے۔ بلکہ اس کی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ زندگی کے تمام گوشوں میں تبدیلی پیدا کرے اور انسان کو خدا پسندیدہ خصوصیات عطا کرکے اسے ایک نئے قسم کا انسان بنادے۔

(۵) تعمیری راہ

اسلام کا عمل تعمیری ہے تخریبی نہیں۔ اس کے انقلاب میں اور دنیا کے دوسرے انقلابوں میں بڑا فرق ہے۔ اس میں کسی کی گردن مارنا اور سادہ لوح عوام کا خون بہانا اور اپنے شخصی مفاد کو پیش نظر رکھنا نہیں ہے۔

اسلامی انقلاب کوئی خالص سیاسی عمل نہیں کہ جس کے بُرے نتائج و آثار غریب عوام کے کسی خاص طبقے پر مرتب ہوں اور اس کا نتیجہ صرف یہ نکلے کہ معدودے چند انسانوں کے گروہ کو روٹی پانی مل جائے۔

اسلامی عمل جو خصوصیت کے ساتھ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور حضرت علی علیہ السلام کے زیر سرپرستی انجام پایا وہ تعمیری تھا ـــــ زندگی کی راہیں متعین کرنے والا تھا ـــــ حیثیت ساز تھا ـــــ اور ـــــ انسانی شرف کا محافظ تھا ـــــ یہ حرکت آفرینی کی طرف ایک راستہ تھا ـــــ روح اور ضمیر سے پیدا ہونے والی ایک آواز تھی ـــــ ظلم و ستم کے خلاف ایک سعی و کوشش تھی۔

اسلام ہمیشہ تعمیری اور مثبت جدوجہد کے درپے رہتا ہے۔ وہ لوگوں کو بے حس اور مدہوش کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ لوگوں میں تفرقے پیدا کر کے اپنا مفاد حاصل کرنے کی فکر نہیں کرتا۔ اس کی جدوجہد حصول کمال کے لیے ہوتی ہے، انسانوں کی فلاح و بہبود کی طرف ہوتی ہے۔ اس کی حرکت آگے کی طرف اور بلندی کی طرف ہوتی ہے۔ وہ پستی اور انحطاط کی طرف نہیں لے جاتا۔

اسی لیے جب یہ آگے بڑھتا ہے تو آبادیوں کو ویران نہیں کرتا۔ لوگوں کے گھروں میں آگ نہیں لگاتا، انھیں نیست و نابود نہیں کرتا۔

⑥ انسانی ہمدردی

حرکتِ اسلامیؑ انسانی ہمدردی کا پہلو بھی رکھتی ہے اور وہ اس طرح کہ اس کی تمام کوششیں اور ساری جدوجہد انسانوں کی نجات اور ان کے تحفظ کے لیے ہوتی ہیں اور ان کا مقصد، سود خواری، ریاکاری، دھوکہ فریب، افلاس، فقر، جہالت اور مرض کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑا ہونا ہے۔ اس لیے کہ یہ چیزیں انسان کو مصائب میں گرفتار کر دیتی ہیں۔

اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ مستضعفین جبر و تشدد سے نجات پائیں۔

محروموں کی محرومی دُور ہو۔ درماندہ اور مظلوموں کو ان کے چھنے ہوئے حقوق واپس مل جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی مکتبِ فکر اور کسی مذہب نے انسانیت کے لیے اتنا نہیں کیا جتنا اسلام نے کیا۔ دنیا کے کسی مفکر اور کسی ازم نے انسانیت کے لیے اتنی آواز بلند نہیں کی جتنی اسلام نے آواز بلند کی۔

لفظ " ناس " یعنی گروہ انسانی کے اسلامی لغت میں بہت وسیع معنی ہیں اور اسلام نے اس لفظ کو کثرت سے استعمال کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ جہاں جہاں حق اللہ کا ذکر ہے وہیں حق الناس اور حقوق العباد کا بھی تذکرہ ہے۔ بلکہ جو کچھ فی سبیل اللہ میں کہا گیا ہے اسی کو بالفاظ دیگر فی سبیل الناس بھی کہا جا سکتا ہے۔

مقصد میرے کہنے کا یہ ہے کہ اسلام کی لغت میں راہ خدا اور راہِ بندگانِ خدا دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔

اسلام، اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں انسانیت کی نجات کے لیے قیام کرتا ہے۔

حرکت پیدا کرنے کا طریقہ

تحریک پیدا کرنے اور پھر اسے باقی رکھنے کے لیے اسلام کو متنوا تر طرح طرح کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور ہر مرحلہ ہمارے اور ہر اس شخص کے لیے جو انقلاب انگیز اور زندگی ساز جد و جہد چاہتا ہے اس قابل ہے کہ اسے سیکھا اور مشق کیا جائے اور جو مذہب و مسلک بھی چاہتا ہے کہ کسی اصول پر کام کرے تو ان مراحل کو پیش نظر رکھے۔ قیام و دوام تحریک کے لیے ان عوامل پر عمل کیے بغیر چارہ نہیں۔

(۱) مرحلہ تعلیم و تربیت

معاشرہ میں جنبش و حرکت پیدا کرنے کے لیے اسلام نے سب سے پہلے تعلیم و تربیت سے کام لیا اور کوشش کی کہ افراد میں فکری اور اعتقادی زمین ہموار کرے انھیں بتائے کہ تم کون ہو ؟ تمھیں کیا کرنا چاہیے ؟ زندگی کے کن کن پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے ______ ؟ پھر اس سلسلہ میں انھیں ضروری تعلیم دی

اور اس کی روشنی میں حرکت کی سمت اور رفتار متعین کی۔

بدقسمتی سے دور حاضر میں ہم لوگ بلکہ وہ قومیں بھی جو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں ان میں سے اکثر افراد یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں یا انھیں کیا کرنا چاہیے۔ ان کی حرکت کی کوئی سمت متعین نہیں ہے۔ ان کا راستہ سوچا سمجھا ہوا اور روشن نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نتیجہ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ وہی گمراہی، اشتباہ اور بے یقینی، جان، مال، عزت آبرو سبھی کے لیے خطرہ۔

لیکن وہ مسائل کہ جن کا تعلق تعلیم سے ہے اور ان پر اسلام نے پوری توجہ دی ہے وہ بے شمار ہیں۔ ان میں سے چند مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

مسئلۂ آفرینش و خلقت

اسلام نے انسان کو بتایا کہ خلقت کے کیا معنی ہیں۔ خلق اور امر کا مفہوم کیا ہے۔ یہ حیات کس لیے ہے ـــــ؟

یہ زندگی کیوں ہے ـــــ؟

موجودات کے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے ـــــ؟

انسان کیوں پیدا کیے گئے ـــــ؟

ہم لوگ کون ہیں ـــــ کیا ہیں ـــــ پہلے کیا تھے کہاں تھے ـــــ؟

اس دنیا میں کیوں آئے ـــــ؟

اگر مرنا ہی ہے تو پھر اس زندگی کی کیا ضرورت تھی، اور اگر یہ زندگی ہے تو پھر موت کی کیا ضرورت ہے ـــــ؟

اب ہم لوگ یہاں سے کہاں جائیں گے ـــــــــ کیوں جائیں گے ـــــــــ؟

ہم لوگوں کو اس کے لیے کیا کرنا چاہیے ـــــــ ہم لوگوں کے کیا فرائض ہیں ـــــــ؟

اسلام نے ان مسائل پر نظر ڈالنے کے لیے انسان کو نئی آنکھیں عطا کیں۔ اسے خلقت کی غرض و غایت بتائی۔ مطالعۂ کائنات کے لیے اندازِ نظر بدل دیا۔ محدود نگاہ رکھنے والی آنکھوں میں تغیر پیدا کیا، تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ زندگی محض مادیات، گھوڑے، اونٹ، مکان، لذّت اور عیش کا نام ہے اور یہ خیال نہ کریں کہ انسان صرف چین سے سونے کے لیے، استراحت کے لیے اور اس دنیا کی چند روزہ لذتوں اور نعمتوں کے لیے زندہ ہے اس کے بعد ملکِ عدم کا راستہ ہوگا۔

اسلام نے لوگوں کو یہ سمجھایا ہے کہ وہ باقی رہنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں فنا ہو جانے کے لیے نہیں۔ وہ ہمیشہ باقی رہنے کے لیے خلق ہوئے ہیں، چند روز رہنے کے لیے نہیں۔

اسلام کے نزدیک انسان کے اغراض و مقاصدِ زندگی صرف مادیات میں الجھے رہنے سے کہیں بالاتر ہیں۔ اور اس کی شان و عظمت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ خود کو آلودۂ دنیا کیے رہے اور صرف فنا پذیر اشیار کے حصول میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔

اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ زندگی کو چند روزہ نہ سمجھو۔ یہ چند دنوں، چند راتوں، چند مہینوں یا چند سالوں میں ختم نہیں ہوگی۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اس دوسری دنیا کی زندگی کے لیے خود کو آمادہ اور تیار کرلیں جو ہماری اس دنیا سے بدرجہا وسیع اور کشادہ ہے اور اس لمحہ کے گزرتے ہی جس کا نام موت ہے فوراً اس دوسری دنیا میں داخل ہو جائیں گے۔

انسانی اقدار

اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ تمہارا یہ وجود بہت گرانقدر اور بیش قیمت ہے۔ یہ وجود اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی صفات کا مظہر ہے۔ اس وجود میں خود خدا تو نہیں لیکن جلوۂ خدا ضرور ہے۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارے پاؤں زمین پر ہیں تو سر آسمان پر ہو، نگاہیں بلند ہوں۔ اس کی جولان گاہ یہ زمین کا محدود خطہ نہیں بلکہ لامحدود ہے، اس کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں، اس کی جولان گاہ آسمانوں میں ہے، فرشتوں کے دوش بدوش ہے۔ بارگاہِ احدیت کی طرف سفر کرنے میں قدسیوں کے ہمراہ ہے۔

انسان صرف خدا کا بندہ ہے، اس کو کسی کا غلام اور بندہ نہیں بننا چاہیے۔ نہ کسی شخص کا نہ کسی مقام کا، نہ منصب کا نہ مال و دولت کا، نہ مادی ساز وسامان کا۔ اور کسی کو اس کا بھی حق نہیں کہ اس وجود انسانی کی اہانت کرے یا اس سے بیگار لے، اس کا استحصال کرے۔

مخلوقات میں انسان کا مقام بے حد بلند ہے۔ خصوصاً

انسانِ مومن، خلیفہ اور نائبِ خدا ہے اور ایک نائبِ خدا کو حق نہیں پہنچتا کہ خود کو حقیر اور چھوٹا بنا لے یا ایسا موقع دے کہ لوگ اس کو حقیر اور چھوٹا سمجھنے لگیں۔

اسلام نے انسان کو یہ بتایا کہ اس خاکدان سے زیادہ وابستگی مناسب نہیں، اس سے دل لگاؤ مگر عشق کی حد تک نہیں۔ یہ سراسر خطا ہے۔ ہم لوگ اس لیے نہیں پیدا ہوئے کہ خاک یا اشیاء و اشخاص کے غلام بن کر رہیں۔ ہمارا مقصد ان محدود اشیا سے بالا تر اور بلند تر ہونا چاہیے ——— !

زندگی کی قدر و قیمت

اسلام نے انسان کو یہ بتایا کہ زندگی کیا ہے اور کس حد تک اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ یہ دنیاوی زندگی اور حیات اصل مقصد نہیں بلکہ یہ ایک وسیلہ و ذریعہ ہے، حصول شرف و ارتقا، بلندی، ترقی، آزادی اور حریت کے لیے۔

یاد رہے کہ یہ دنیاوی زندگی ایک وسیلہ ہے اور جب کوئی وقت آپڑے تو وسیلہ کو مقصد پر قربان کر دینا چاہیے۔ وسیلہ کو چھوڑ کر مقصد کی طرف بڑھنا چاہیے۔ یعنی شہادت کی طرف۔

انسان اپنے مقصد میں جان ڈالنے کے لیے خود جان دے دیتا ہے اور تقرب الٰہی کا بالاترین درجہ حاصل کر لیتا ہے اور اس طرح اس کو ایک بلند ترین اور اعلیٰ ترین درجہ مل جاتا ہے۔

اس بنا پر اگر دیکھا جائے تو واقعاً صدر اسلام کے مجاہدین نے اسلام سے خلوص و انتہائی محبت کا ثبوت دیا۔ انھوں نے اپنے مقصد کے حضور میں جان کا نذرانہ پیش کیا اور اس شرف کے حصول کے لیے موت سے نہیں ڈرے بلکہ آگے بڑھ کر موت کا استقبال کیا۔ اور جان دینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے رہے۔

حقوقِ انسانی

اسلام نے ملتِ مسلمہ کو بتایا کہ اس دنیاوی زندگی میں ہر شخص کا حق اور حصّہ ہے لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ کوشش اور جد و جہد کرے اور اس زندگی سے اپنا حصّہ حاصل کرے اور اسے یہ بھی چاہیے کہ اگر کچھ لوگ اس کے جائز حصّہ کے حصول میں سدِّ راہ ہیں تو ان کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے اور جب تک جان میں جان ہے اس کے لیے مسلسل کوشش کرتا رہے۔

اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ ظالم اور مظلوم دونوں آگ میں ہیں ایک تو اس لیے کہ اس نے ظلم کیا اور دوسرا اس لیے کہ اس نے ظلم کو قبول کیا اور اس کے خلاف نہیں اٹھا۔ انسان کو ظلم و ستم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور اسے قبول کرنے کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کا فریضہ ہے کہ ظلم کا مقابلہ ثابت قدمی کے ساتھ کریں، اس سے ٹکّر لیں اور یہ نہ سوچیں کہ انجام کیا ہوگا۔

ظلم کا مقابلہ کرنے میں نتیجہ جو بھی ہو کامیابی ہے۔ مرجائیں تو بھی کامیابی اور ظالم کو ماریں تو بھی کامیابی۔ اسلام کی لغت میں لفظ

شکست کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ حصول مقصد کی راہ میں جو بھی نصیب ہو وہ تائیدِ الٰہی اور فتح و ظفر ہے۔
خواہ موت ہو خواہ زندگی۔

زندگی کا دائرہ

اسلام نے اپنے متبعین کو بتایا کہ نور کسے کہتے ہیں، ظلمت کسے کہتے ہیں۔ روا اور جائز کیا ہے۔ اور ناروا اور ناجائز کیا ہے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی زندگی کے دائرہ کو روشن رکھیں اور اس کی اجازت نہ دیں کہ ناروائی ان پر حکومت کرے۔

اسلام نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ باعزّت اور باوقار زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دائرۂ زندگی کے کسی گوشے میں تاریکی نہیں رہنی چاہیئے۔ تفریق اور ناروائی نہیں آنی چاہیے۔ ایک انسان کا یہ حق ہے کہ وہ آزاد ہو، اس کی فکر آزاد ہو بشرطیکہ اس آزادی سے دوسروں کی آزادی پر چوٹ نہ پڑتی ہو۔

اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ ہر شخص کو اپنے اور دوسروں کے کردار اور رفتار پر نظر رکھنی چاہیے۔ کسی فرد کو اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ دوسروں کی آزادی میں خلل ڈالے، محیط اور معاشرے کو آلودہ کرے یا زندگی میں بدنظمی پھیلائے۔

ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ معاشرتی زندگی کو درست رکھنے

کے لیے ایک دوسرے کے کردار پر نظر رکھے۔ لوگوں کو نیکی کی ترغیب دے اور برائی سے روکے، اس طرح شر و فساد معاشرہ سے برطرف ہو جائے گا۔ زمین شاد و آباد ہو گی۔ ناروائی اور برائی دور ہو گی۔ ظلم و زیادتی ختم ہو جائے گی۔

اجتماعی روابط اور تعلقات

اسلام نے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ سب لوگ باہم ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی خلوص اور صفائی قلب کے ساتھ پیش آئیں۔ سب لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ ان میں رنگ و نسل کے اختلاف کا کوئی مقام نہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں کالے اور گورے سب یکساں ہیں۔ اگر برتری اور فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

اسلام نے لوگوں سے کہا کہ وہ آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں اللہ کی مخلوقات سے مہربانی کا سلوک کریں۔ انسانوں سے انسانیت کی بنا پر محبت کریں۔ اگر کوئی گمراہ ہے تو یہ سمجھ کر کہ اس بے چارے کا عقیدہ بیمار ہے اس کی دستگیری کریں۔ صحیح راستہ اس کے سامنے پیش کریں اور اسے سمجھائیں کہ تعلیمات اسلامی کے زیر سایہ اگر وہ بھی چاہے تو خوشحالی اور فراغت سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ انسان خود تنہا اپنے لیے زندہ نہیں ہے بلکہ لوگوں کے سامنے اپنے معاشرہ کا بھی ذمہ دار ہے۔ قیام عدل و

انصاف بھی اس کا فریضہ ہے۔ اسے لوگوں کی بھی داد رسی کرنی ہے۔ کمزوروں کا ہاتھ پکڑ کر سہارا بھی دینا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ اگر ایک مسلمان مشکلوں میں گرفتار ہے اور وہ مدد کا طالب ہے تو اگر باوجود امکان و قدرت کوئی اس کی مدد نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

اسلام نے لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ جہاں دولت و ثروت ہے وہاں حق مظلوم ہے۔ جہاں فقر و افلاس ہے وہاں بے دینی ہے۔ جہاں ظلم و ستم ہے وہاں بربادی اور ویرانی ہے۔ جہاں فساد ہے وہاں اللہ کی نگاہِ کرم نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ممکن نہیں کہ وہ صرف تماشائی بنا رہے۔ اس کا فریضہ اور اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اس کا ماحول اور معاشرہ پاکباز ہو جائے۔ اور اس کو اپنا یہ فریضہ جس قیمت پر بھی ہو ادا کرنا لازمی ہے۔

(۲) مرحلۂ تربیت یا کردار سازی

اسلام نے اپنی تعلیمات و تلقینات و پند و نصائح کے تحت انسانوں کو زندگی کی ایک نئی ساخت اور نئی جہت عطا کی۔ سرکش نفس کو قابو میں کیا۔ لیکن یہ مرحلہ مختلف گوشوں اور مختلف صورتوں سے طے ہوا۔ جن میں سے چند صورتیں یہ تھیں :

مذہب کی حقانیت کا یقین

اسلام نے منطقی طریقوں سے استدلال سے، انفس و آفاق

کے مطالعہ سے، دلائل اور بینات سے اس امر کی کوشش کی کہ دلوں کو اپنے مذہب کی حقانیت کا یقین ہو جائے اور اس میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہو۔ اور یہ اسلامی عقل کا کمال ہے کہ اس نے تمام اعمال اور جد و جہد کو نظریاتی پہلو اور عقیدتی رخ عطا کیا۔

جب ایمان اور یقین واقعی گہرا ہوتا ہے تو اس کے نور سے دلوں میں ایسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان کو آگے اپنی راہ خود نظر آنے لگتی ہے۔ اس کے شعلے دل میں ایسے بھڑکتے ہیں کہ چین و قرار کو سلب کر لیتے ہیں اور وہ اس آتش گرفتہ کی مانند ہو جاتا ہے جو ہر طرف بھاگتا ہے اور ہر جھروکے میں جھانکتا ہے تاکہ کسی طرح وہ اپنے دل کے شعلوں کو خاموش کر سکے۔

یہ ایمان ہی کا کرشمہ ہے جس نے عرب کے ایک صحرا گرد چرواہے کو ابوذر بنا دیا اور سلمان کو اس پر آمادہ کیا کہ باوجود سن کہولت و پیری، وہ مجاہدہ سے کام لیں، تلاش و جستجو کریں اور ایک نوجوان کی طرح قیام حق و عدل و انصاف کے لیے سعی کریں۔

تعیّن ھدف

اسلام نے انسان کو اس امر کی ہدایت کی کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی مقصد اور ہدف متعین کرے۔ ایسا ہدف کہ جو نہ صرف حاصل کرنے کے قابل ہو بلکہ قابل پرستش ہو، ایسا ہدف کہ جس کے لیے انسان اپنا سر کٹا سکتا ہو اور اپنی جان دے سکتا ہو، وہ اس قابل ہو کہ اس پر اپنا مال و دولت، اپنی آل اولاد سب کچھ قربان کر سکتا ہو۔ ظاہر ہے

کہ ایسا ہدف کسی مادی اور فانی شے کو تو نہیں بتایا جا سکتا، یہ کوئی پست اور آلودہ چیز تو نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہدف کا متعین کرنا ہر جہت سے انتہائی اہم ہے۔ اس لیے کہ اسی ہدف پر کامیابی و ناکامیابی، ترقی اور تنزلی، انحطاط و ارتقاء کا دار و مدار ہے۔

اسلام نے انسان کے لیے ایک اعلیٰ اور بلند ہدف متعین کیا، ایسا ہدف جو لامحدود ہے، جو لانہایت ہے۔ اس ہدف تک پہنچنے کی کوشش میں انسان کی قوتیں ترقی پاتی ہیں، انسان میں قوتِ پرواز آتی ہے۔ وہ ہدف ایسا انمول اور بے بہا ہے کہ جس کے لیے انسان خود کو مٹا دے۔ وہ ہدف کیا ہے ——— ؟

وہ خدا کی ذات ہے اور اس کے مقامِ قرب تک پہنچنے اور اس کی خوشنودی اور رضا کے حاصل کرنے کی کوشش ہے۔

خود اپنے خلاف جہاد

اس مقصد تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے انسان اپنے آپ سے جنگ کرے۔ اپنے ہوس ہائے نفسانی کے خلاف برسرِ پیکار ہو، اپنی برائیوں اور اپنے دل کی کثافتوں سے نبرد آزما ہو۔

اس لیے اسلام نے انسان کے لیے یہ لازم قرار دے دیا کہ وہ خود اپنے سرکش نفس کی ملامت کرے۔ نافرمانیوں اور سرکشیوں کو چھوڑے اور اپنے محبوب کے حکم کی تعمیل کے لیے تن، من دھن

سے نیاز ہو جائے۔

یہی وجہ تھی کہ سلف کے مسلمان، عبادتوں، ریاضتوں، پند و نصائح کے ذریعہ اپنے کردار کو بناتے تھے بلکہ حد یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں دوسروں سے طالب مدد ہوتے تھے اور درخواست کرتے کہ تم کو ہمارے اندر جو عیب و برائی نظر آئے وہ ہمیں بتاتے رہنا۔ ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرتے رہنا۔ پھر بعض لوگ تو اپنے منہ میں سنگریزے بھر لیا کرتے تاکہ زبان بند رہے، خلافِ حق کوئی بات نہ نکل سکے۔ اس طرح اپنے الفاظ اور اپنی نگاہوں کو اپنے قابو میں رکھا کرتے تھے۔

بلند نظری

بنابریں ان کی فکر میں بلندی اور ان کی سوچ میں برتری آگئی وہ معمولی سے معمولی گناہ سے بچنے کے لیے اعلیٰ ترین نعمتوں اور لذتوں کو ٹھکرا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام کی ایک مثالی شخصیت حضرت علی علیہ السلام کو دیکھیے وہ فرماتے ہیں:

" خدا کی قسم! اگر لوگ مجھے سارے روئے زمین کی بادشاہت اس شرط پر سپرد کرنے کے لیے تیار ہوں کہ میں بہ ظلم و ستم کسی چیونٹی کے منہ کا ایک دانہ چھین لوں تو ایسی بادشاہت میں قبول نہ کروں گا۔ "

یا پھر حضرت ابوذرؓ جیسی باکردار شخصیت پر نظر ڈالیے۔ انھیں بھوکوں مرنا گوارا لیکن غیر حق کا زیر بارِ احسان ہونا گوارا نہیں۔

اسلام کردار سازی اور تربیت کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہے اس نے لوگوں کو اس قدر بلند نظری عطا کی کہ جان کنی کے عالم میں بھی اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دے دیتے تھے اور راہ خدا میں مساوات ہی نہیں بلکہ مواسات سے بالاتر ایثار سے کام لیتے تھے۔ انتہائی فقر وافلاس اور گرسنگی میں بھی دوسروں کو خود پر مقدم کر دیتے تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی جان و مال سے دوسروں کی مدد کرتے تھے۔

اگر مسلمانوں میں یہ بلند نظری نہ ہوتی تو حالات کچھ اور ہی ہو جاتے۔ اگر طبیعت میں علو نہ ہوتا تو اس بے سر و سامانی اور تنگدستی کی حالت میں اسلام آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔

مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین کا سارا بوجھ اہل مدینہ پر تھا اور انھیں یہ گراں نہیں گزر رہا تھا۔ سربازانِ اسلام کا معاشی بوجھ یہی اہل مدینہ اٹھائے ہوئے تھے، اس کے باوجود وہ جہاد سے منہ نہیں موڑ رہے تھے

ہدف و مقصد کیلیے جان کی قربانی

اہل اسلام تربیت اور کردار سازی کی اس منزل پر پہنچ گئے تھے کہ گویا وہ دیکھ رہے ہوں کہ اس تنگ و تاریک دنیا کے پیچھے، ان پریشانیوں اور تنگ نظریوں کے بعد، اس دنیا کی مصیبتوں اور نامرادیوں کے پس پشت ایک وسیع اور کشادہ دنیا ہے، ایک جنت خلد ہے چنانچہ منزل تقرب الٰہی تک پہنچنے اور رضائے خدا حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں نے اپنی ہر چیز بلکہ اپنی جان تک کو قربان کر دیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ وہ عمرو بن جموح جو لنگڑے تھے، جہاد ان پر واجب نہ تھا مگر جب جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ میدانِ شہادت اور قتل گاہ سے زندہ واپس نہ آؤں۔

ایک دوسرا مجاہد جو ابھی نوجوان ہے وہ راہِ خدا میں موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتا ہے۔

تیسرا مجاہد اپنے ساتھیوں سے اصرار کرتا ہے کہ اسے سب سے پہلے میدان شہادت میں جانے کی اجازت ملے تاکہ سب سے پہلے وہ اپنی جان قربان کردے۔

چوتھا مجاہد دشمنوں کی سنگباری کے موقع پر اپنے سینے کو برہنہ کردیتا ہے تاکہ وہ اپنے قول کے مطابق یہ جان لے کہ راہ خدا میں زخمی ہونے میں کیا لطف ہے۔

پانچواں مجاہد جانکنی کے عالم میں ہے اور پیاسا ہے مگر پانی نہیں پیتا۔ اس لیے کہ اوّل تو وہ خود روزہ دار ہے اور پھر اس کے دوسرے ساتھی اس سے بھی زیادہ پیاسے ہیں۔

ان لوگوں کے سامنے ان کا راستہ صاف، واضح اور روشن تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ ہمارے سامنے خدا موجود ہے اور وہ ہمارے جان و مال کو خرید رہا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے وعدہ کو سچّا اور رسولِ مقبولؐ کی بشارتوں کو درست جانتے تھے۔

وہ لوگ مومن تھے اور ان کا یہ ایمان تھا کہ اللہ سے بہتر کوئی اپنے عہد اور اپنے وعدے کا پورا کرنے والا نہیں ہے۔

---

③ پیغام کی نشر و اشاعت

اسلام نے اس طرح کے افراد کو تیار کر کے اور انھیں تربیت دے کر یہ حکم دیا کہ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں اور اسلامی تعلیمات کو پھیلائیں۔ یہ لوگ بشکل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر و ارشاد و ہدایت دنیا کو اسلام کی طرف دعوت دینے اور اس کی تعلیمات کو پھیلاتے اور لوگوں سے درخواست کرتے کہ وہ مسائل فقہ کو سیکھیں اور اس کے مطابق اپنی تربیت خود اپنے آپ کریں۔

طریقِ دعوت

عہدِ نبوی کے مسلمان، دعوتِ اسلام کے ساتھ لوگوں سے یہ درخواست کرتے کہ وہ اپنی عقل کے دست و پا میں پڑی ہوئی زنجیروں کو اتار پھینکیں، حقائق پر نظر ڈالیں۔ حق کو چاہنے والے اور حق کی جستجو کرنے والے بنیں، سرمایہ پرستی اور استحصال کو چھوڑیں، تن پروری سے باز آئیں۔ دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ لوگوں میں بیداری پیدا کریں اور انھیں نیکی و بدی سے آگاہ کریں۔

ان کی کوششیں اس امر کی تھیں کہ لوگ سود کا لین دین نہ کریں، ریاکاری سے دور رہیں۔ خلقِ خدا کو غلامی سے نہ ستائیں اور یہ معلوم کر کے کہ اس زندگی میں ان کا کیا اور کتنا حصہ ہے اس کے حصول کی کوشش کریں۔

دعوت اسلام کے سلسلہ میں لوگوں سے درخواست کی گئی کہ

وہ انسانوں کے بنائے ہوئے بتوں سے دست بردار ہو جائیں، کسی شخص یا چیز کے غلام نہ بنیں، منصب و مقام کی زیادہ حرص نہ کریں، مادیات پر فریفتہ نہ ہوں، کسی کے بندے یا کسی کے معبود نہ بنیں۔

اصلاحِ معاشرہ

مسلمانوں نے پیغامِ اسلامی کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں لوگوں کے گوش گزار کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی تقدیر اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی تقدیر بدلنے کی کوشش نہیں کرتی۔ ہر قوم اسی حکومت کی مستحق ہے جو اس پر ہو رہی ہے اور ہر شخص اپنی سعی و کوشش کا مرہون ہے۔

بنابریں اب یہ سوچنا کہ دنیا خود بخود اصلاح پذیر ہو جائے گی انتظار کرو، تو یہ انتظار بے ربط اور نامناسب ہے۔ صرف دعا سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ کچھ اپنے ہاتھ پاؤں بھی چلانے چاہئیں۔

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور انتظار کرنا کہ بغیر جد و جہد و سعی و کوشش غیب سے امداد پہنچ جائے گی درست نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ خود عمل کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور وعظ و نصیحت سے آخرت کی سزا سے خوف دلا کر اور اس کے لیے تحریک چلا کر معاشرہ کی خرابیوں کو دور کریں اور ناجائز امور سے پاک کریں۔

ورنہ ——————

ہم لوگ مٹ جائیں گے اور ہم پر زوال آجائے گا۔

قیامِ عدل وانصاف

اسلام جن باتوں کا تقاضا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے لیے جدوجہد کریں، ان میں عدل وانصاف کا قیام بھی ہے ہر فرد کو چاہیے کہ معاشرہ میں قیام عدل کی کوشش کرے اور اس کے لیے جان ومال تک سے دریغ نہ کرے۔

تمام انبیاء کے پیغام کا مقصد ہی یہ تھا کہ معاشرہ میں عدل قائم ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو براہین ومعجزات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب ومیزان نازل کیا تاکہ وہ لوگوں میں قسط وعدل قائم کریں اور ہم نے لوہا بھی نازل کیا جس میں رعب وخوف زیادہ ہے۔"

قیامِ عدل کی راہ میں جدوجہد کا معیار اس حد تک ہونا چاہیے کہ اگر ضروری ہو جائے تو اس کے لیے اسلحہ بھی استعمال کیا جائے یعنی مقصد یہ ہے کہ کسی طرح معاشرہ میں عدل وانصاف قائم ہو۔ اور اگر نرمی سے کام نہ چلے تو سختی سے کام لیا جائے۔

آزادئ بشر کی کوشش

اسلام اپنے ماننے والوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کو قید وبند واسیری سے نجات دلائیں۔ انھیں استحصال سے چھڑائیں۔

سب لوگ آزاد رہیں، ان کی فکر آزاد ہو اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

اسلام کی طرف سے یہ فریضہ ہر انسان پر عائد ہوتا ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے حدود و امکان میں رہتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھائے ——— !

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر یقین کیجیے کہ جب اسلام اپنے جہاد داخلی سے فارغ ہوگا اور اپنی قوم اور اپنے معاشرے کو قید و بند سے رہائی دلائے گا تو ان تمام مستضعفین اور محرومین کی نجات کی کوشش کرے گا جو دنیا کے دیگر ممالک میں نیم مردہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اس لیے کہ آج کل بہت سے لوگ تو اس رنج و مشقت کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ بس اسی کا نام زندگی اور شرافت ہے۔ بدنصیبی کی زندگی ان کی ایسی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے کہ وہ جس حال میں ہیں اسی کو اعلیٰ نمونہ کی زندگی سمجھتے ہیں۔

اسلام کوشش کرتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو ایسی زندگی سے نجات دلائے اور ان کی آنکھوں کے سامنے زندگی کا ایسا وسیع میدان پیش کرے کہ وہ دیکھ لیں کہ ان بدبختیوں اور بدنصیبیوں کے پیچھے خوش بختی اور خوش نصیبی کا بھی وجود ہے۔

زندگی کو صحیح جہت دینا

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان، لوگوں کو گمراہیوں سے ہٹا کر صحیح سمت اور راستہ پر لائیں۔ انھیں بے جا قید و پابندیوں اور پریشانیوں

سے نجات دلائیں اور زندگی کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کریں اور لوگوں سے کہیں کہ اس کی پیروی کریں۔

اسلام چاہتا ہے کہ سب لوگ ایک ایسی مرکزی شخصیت کی طرف رجوع کریں جو واقعتاً اس قابل ہو کہ سب کا مرجع اور قبلہ گاہ بن سکے۔ اس سمت کو چلیں کہ جس طرف چل کر خوش نصیبی اور سعادت حاصل ہو خیر و صلاحِ حال نصیب ہو۔

یہ انسانی وقار کے خلاف ہے کہ ہم لوگ ہر روز ایک نئی سمت کی طرف چلیں اور ایسے ولیوں کا دامن تھامیں۔ انسان کی عظمت، اس کا مقام، اس کا مرتبہ، اس سے کہیں زیادہ بالا ہے کہ وہ ایک تنکے کی طرح فضا میں معلق ہو اور ہر ہوا اور ہر طوفان اُسے اِدھر اُدھر اڑاتا پھرے۔

۴ راستے کی رُکاوٹوں کو ہٹانا

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر تحریک کے مخالف ایک ایسا گروہ بھی ہوتا ہے جو راستے کی رکاوٹ بنتا ہے۔ اپنی منفی سوچ اور تخریبی اقدامات سے دوسروں کا راستہ بند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسان حق کا راستہ اختیار کرے اور اپنی اصلاح کرے۔

ایسی صورت میں اسلام اپنے پیروکاروں کو اس امر پہ آمادہ کرتا ہے کہ وہ تمام مزاحمتوں کو دور کریں اور رکاوٹوں کو توڑ ڈالیں۔

مسلمانوں کے فریضۂ جہاد و جستجو اور جنگ و قیام کی اصل بنیاد یہی ہے

کہ کفر و شرک کی پناہ گاہوں کو مسمار کر دیا جائے ، مزاحمتوں کو دور کیا جائے، رکاوٹوں کو ہٹا دیا جائے۔ پہلے تو صلح و مسالمت و آشتی سے اس کی کوشش کی جائے اور جب اس سے کام نہ چلے تو پھر جنگ و نبرد آزمائی سے کام لیا جائے۔

اسلام پہلے تو اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ یہ کام پند و نصائح، برہان و استدلال سے ہو جائے۔ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہے، انھیں ہوشیار اور آگاہ کرتا ہے کہ دیکھو انسانی حقوق کے خلاف کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ مگر جب اس سے کام نہیں چلتا تو پھر تہدید اور ڈرانے دھمکانے سے کام لیتا ہے اور جب دیکھتا ہے، یہ سب بے سود اور بے کار ہو رہا ہے تو پھر مسلح جنگ کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

لیکن اسلام ہر طرح مجبور ہو کر جب جنگ کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس وقت بھی انسانیت کو ترک نہیں کرتا۔ جنگ و جدال شروع کرنے سے پہلے وہ دشمن کی فوجوں کو اپنے نصب العین اور مقصد سے آگاہ کر دیتا ہے اور انھیں بتاتا ہے کہ حق کیا ہے اور انھیں کیا کرنا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بے گناہ اس گیر و دار کی زد میں آکر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

تمام مکاتب فکر اور تمام نظاموں کے برخلاف اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ جنگ و جہاد کے سلسلہ میں کسی انسان کے انتہائی معمولی حق کو بھی پامال نہ کیا جائے۔

اپنے فوجیوں کے لیے اس کا یہ حکم ہے کہ دشمن کے علاقے کی کھیتیوں اور زراعتوں کو برباد نہ کیا جائے، پھل دینے والے درخت نہ کاٹے جائیں۔ بوڑھوں کو نہ قتل کیا جائے، بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔ عورتوں اور بچّوں کی جان بخشی کی جائے۔ حد یہ ہے کہ یہ حکم بھی ہے کہ وہاں کی بھیڑ بکریوں کو بھی ضرورت سے

زیادہ ذبح نہ کیا جائے۔

اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ بلا سبب کسی متنفس کی جان لی جائے۔ بلا وجہ کسی گھر کو کھنڈر بنایا جائے، بغیر کسی علت کے کسی خاندان کو پاش پاش کیا جائے۔ یہ ممکن ہے کہ کبھی اسلام اپنی جنگ کو طول دے تو وہ بھی اس لیے کہ جنگ احتیاط سے لڑی جائے، کسی شخص پر ناحق کسی قسم کا ظلم نہ ہو جائے۔

لیکن صرف اس لیے کہ مسلمان ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے جہاد کے لیے آگے بڑھیں وہ مجاہدین کو جہاد کا شوق دلاتا ہے اور اس کو فتح و کامرانی کے لیے ایک پائیدار امر سمجھتا ہے۔ اس نے شہادت کو انسان کے لیے باعث شرف بتایا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی زندگی ہے اور ایسی زندگی ہے جس میں شہید خدا کا مہمان رہتا ہے اور شہید کی جان کا اللہ خریدار ہوتا ہے۔ اس طرح جہاد میں مسلمانوں کے بہے ہوئے خون کو ضائع اور برباد نہیں سمجھتا بلکہ اس کو زندگی جاودان اور دوسروں کی زندگی سے بہتر سمجھتا ہے۔

تحریک کی شرائط

اسلامی تحریک چونکہ ایک نظریاتی اور فکری تحریک ہے اس لیے بغیر تعقل و ادراک کے نہیں ہو سکتی۔ اسلام اس اقدام کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا جو آنکھ بند کر کے بغیر سوچے اور سمجھے ہو۔ اس کا سارا دار و مدار اس پر ہے کہ پہلے حقیقت کو سمجھا جائے، مقصد متعیّن کر لیا جائے، اس کے بعد اقدام کیا جائے۔

بالفرض اگر کوئی شخص بغیر سوچے اور سمجھے ہوئے جنگ و جہاد میں شرکت کر رہا ہے اور وہ قتل ہو جاتا ہے تو درحقیقت اس نے بے فائدہ اپنی جان گنوائی۔ پھر وہ اقدام جو بغیر کسی مقصد کے ہو یا راہِ حق کے خلاف ہو تو وہ اقدام کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

چنانچہ خوارج نے بھی اقدام کیا اور بعد شہادت حضرت علیؑ انھوں نے بنی امیہ کے خلاف بھی جنگ کی۔ مگر چونکہ بے سوچے سمجھے تھی، اس لیے کسی حساب میں نہ تھی۔

ان لوگوں نے تلوار کھینچی ، جنگ کی ۔ مگر ان کی تلواروں کے پاس آنکھ نہ تھی ۔ اسی بنا پر کبھی وہ حضرت علیؑ کے مدمقابل آئے اور کبھی حضرت علیؑ کے دشمنوں سے برسرپیکار ہوئے ۔

اسلامی جنگیں بجائے خود ایک عبادت کا درجہ رکھتی ہیں اور عبادت کی قبولیت کے لیے شرط ، آگاہی کے ساتھ اور بامقصد ہونا ہے ۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :

" جاہل اور ناواقف عبادت گزار کی مثال کولھو کے بیل جیسی ہے کہ جو مسلسل ایک دائرے میں چکر لگاتا رہتا ہے ۔ اس سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہیں چل سکتا ۔ "

حرکت پیدا کرنیوالے عوامل

اسلام میں ایسے متعدد عوامل ہیں جو ہمارے لیے حرکت و جنبش کے مواقع فراہم کرتے ہیں ۔ اس مختصر سے رسالے میں تو ان تمام عوامل کا ذکر ممکن نہیں مگر ان میں سے ہم چند عوامل کا بطور مثال یہاں ذکر کرتے ہیں :

① ایمان و آگاہی

ایمان بجائے خود ایک حرکت پیدا کرنے والا پر جوش چشمہ ہے، اگر اس کے ساتھ علم و آگاہی بھی ہو ۔

اسلام اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ افراد اس کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقصد کی راہ پر گامزن ہوں ۔ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات بیشمار ہیں ۔ ہم ذیل میں ان میں سے چند ایک کا نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں :

○ ——— انسان کو (اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے) اس کو حق نہیں پہنچتا

کہ وہ کسی کا غلام اور بندہ بنا رہے۔ اور اگر کسی نے زبردستی اس کو غلام بنایا ہے تو اس کا فریضہ ہے کہ اس سے جنگ کرے۔

○ ——— مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کے لیے فوراً دوڑے اور اپنے ھم و غم کی بنیاد اسی پر رکھے۔

○ ——— مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ معاشرے سے خیانت، ریاکاری اور تباہی کو مٹائیں۔

○ ——— ہر مسلمان کا یہ روزانہ کا فریضہ ہے کہ معاشرہ کی تعمیر میں حصہ لے۔

○ ——— حکم ہے کہ اپنے ہمسایہ کی مدد کو پہنچو خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔

○ ——— ناانصافی اور بے جا طرفداری، جس طرح کی بھی ہو اور جس جس گوشے میں ہو اسے دور کرو۔

○ ——— مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایک گناہ آلود معاشرہ میں زندگی بسر کرتا رہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کرے۔

○ ——— امتِ مسلمہ کو تمام انسانوں کی خیر خواہی کے لیے خلق کیا گیا ہے لہٰذا انسانوں کی فلاح و بہبود کی راہیں تلاش کرنی چاہئیں۔

○ ——— وہ زندگی جو اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے تحت بسر نہ ہو رہی ہو اس کی کوئی قیمت اور وقعت نہیں۔

○ ——— اپنے وعدے اور اپنے عہد کو پورا کرنا چاہیے، پیمان شکنی کرنے میں اسلام کی ہتک اور ذلت ہے۔

○ —— انسان کا فریضہ ہے کہ زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو اور اسے ایک سوچے سمجھے ہوئے مقصد کی سمت لے چلے۔

○ —— اگر کسی شخص یا کسی قوم کی عزت و حرمت خطرے میں پڑ جائے تو اسے بچا لینا مناسب ہے۔

○ —— مسلمان کو چاہیئے کہ وہ ظالم سے ٹکر لے اور مظلوم کی مدد کرے۔

○ —— کسی مسلمان کے دو دن برابر اور یکساں نہ گزرنا چاہیے، آج کا دن گزشتہ کل سے بہتر ہونا چاہیئے۔

○ —— اپنے مقصد کے راستے پر گامزن رہنا چاہیے اور اس ہیں یاس و ناامیدی کو اپنے سے دور رکھنا چاہیئے۔

مختصر یہ کہ اسلام کی دی ہوئی ساری بشارتیں، ساری ہمت افزائیاں، ساری تحریکیں یہ سب کی سب یہ کہتی ہیں کہ

قدم آگے بڑھاؤ۔

اسلام کی کوشش ہے کہ انسانوں کے قدم آگے بڑھنے چاہئیں، پیچھے نہ ہٹیں۔ ہر روز، خواہ ایک ہی شعر ہو یا ایک ہی آیت ہو یا ایک ہی حدیث ہو ضرور پڑھے اور اس پر عمل کر کے صاحبِ فضل و شرف بن جائے۔

۲ فرائض اور ذمہ داریاں

اسلام تمام انسانوں کو ایک ایسی مخلوق سمجھتا ہے جو ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ خود اپنے سامنے جواب دہ، اپنے پروردگار کے سامنے جواب دہ اور معاشرے کے سامنے جواب دہ ہے۔ نیز اس عہد و پیمان کا ذمہ دار بھی ہے جو اس نے خدا

سے کیا ہے کہ بار امانت کو منزل تک پہنچائے گا۔ پھر ایسی صورت میں وہ بالکل مطمئن اور فارغ البال ہو کر اپنی زندگی کو ایسی اہم ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے اِدھر اُدھر نہیں گزار سکتا۔

اسلام صرف مسلمان ہونے کو کافی نہیں سمجھتا۔ وہ تنہا کلمہ شہادتین پڑھ لینے اور نماز و روزہ کر لینے کو بری الذمہ ہونے کا ذریعہ نہیں شمار کرتا۔ مسلمان اس امر کا بھی ذمہ دار ہے کہ شجاعت اور دلیری سے کام لے اور استحصال اور غلامی کے خلاف تیاری کرے۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی معاشرے میں ہر طرف زُور و مکر، نافرمانیاں اور سرکشیاں پھیلی ہوئی ہوں اور اس میں ایک مسلمان آرام و سکون کے ساتھ خاموش بیٹھا رہ جائے ــــــ؟

یہ کیونکر ممکن ہے کہ مخالف کی طرف سے اقدامات کا سلسلہ جاری رہے اور یہ اپنی ذمہ داریاں محسوس نہ کرے ــــــ؟

یہ کیونکر ممکن ہے کہ دشمن تو مسلمانوں کے معاشرے میں اپنی فاتحانہ جدوجہد جاری رکھے اور اس کی بے حسّی میں کوئی فرق نہ آئے ــــــ؟

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ راہِ خدا میں قدم آگے بڑھائیں اور اللہ اور اسلام کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جنگ کریں، حق کو غالب اور سربلند کرنے کے لیے جدوجہد اور جہاد کریں۔

جہاد بجائے خود اسلام کے اندر ان مقاصد تک پہنچنے کے لیے ایک قسم کی جدوجہد ہے جس میں غیرت دار لوگ شریک ہوتے ہیں اور دشمن سے کوئی سمجھوتہ کیے

بغیر کوشش کرتے ہیں کہ بدکار و بدخواہ دشمن کے گھٹنے ٹکا دیں خواہ اس کوشش میں خود فنا ہو جائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ

" اگر ہم کسی ظالم کے ظلم پر راضی اور خوش ہیں تو اس کے ظلم میں ہم بھی شریک سمجھے جائیں گے۔"

لہٰذا ضروری ہے کہ اس ظالم کے خلاف اقدام کیا جائے اور اس کو ہٹانے کے لیے جنگ اور اقدام کیا جائے۔

اسلام کی نظر میں برائیوں کے سامنے سر تسلیم خم کر لینا اور خود کو مفاسد کے حوالے کر دینا غلط ہے بلکہ ان کے خلاف آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔

اسلام کے نزدیک ویسے تو تمام مسلمان اس کے جواب دہ اور ذمہ دار ہیں مگر ان میں جو زیادہ علم و آگاہی رکھتا ہے وہ زیادہ ذمہ دار ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ :

" اللہ تعالیٰ نے عالموں سے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ ظالم کے ظلم کے سامنے اور مظلوموں کی بے کسی کو دیکھتے ہوئے خاموش نہ بیٹھے رہیں۔ اس کے ظلم و زیادتی کو روکنے کی کوشش کریں۔"

یہ اور اس کے علاوہ اور دسیوں ہدایات ہیں جو اسلام کی منشار کو ظاہر کرتی ہیں اور اسے حقیقت کا رنگ و لباس دیتی ہیں۔

۳ بیداریاں

ایمان اور تقویٰ یہ دونوں چیزیں بجائے خود بیداری اور ہوشیاری

کے اسباب میں سے ہیں۔ اسی لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر مسلمان دوسروں سے زیادہ کوشش کرتا ہے کہ دنیا کے امور اور واقعات سے مطلع اور آگاہ رہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پیشِ پا ایک نور کو قرار دیتا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنا راستہ پا لیتا ہے اور آگے قدم بڑھاتا ہے۔"

دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ:

"جو شخص صاحبِ تقویٰ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے حق و باطل میں تمیز کے واسطے ایک راستہ معین فرما دیتا ہے کہ جس کے پیش نظر وہ اپنی زندگی کی راہوں میں حق و صواب اختیار کر لیتا ہے۔"

یہ ساری بیداریاں اور ہوشیاریاں انسان کو کب چھوڑتی ہیں کہ وہ زمانے کے حالات و واقعات سے متاثر نہ ہو اور اس میں فرق نہ آئے اور اپنے امور کو زمانے کے بہتے ہوئے دھارے پر چھوڑ دے کہ جدھر چاہے بہا لے جائے؟

شیعی نقطہ نظر سے مسئلہ انتظار بیداری و حرکت کا ایک عامل اور سبب ہے۔ وہ ہر لحظہ گوش بر آواز اور چشم براہ رہتا اور دیکھتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے، کیا اتفاقات سامنے آرہے ہیں اور ایسے میں وہ کون سے فرائض ہیں جسے وہ اس زمانۂ انتظار میں انجام دے۔

انتظار کرنے والا کوشش کرتا ہے اور ہر حادثے اور ہر حالات کے

مقابلے کے لیے خود کو آمادہ اور تیار رکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ حرکت و اقدام کے عوامل و اسباب بہت ہیں جو انسان کو خاموش اور بے حس نہیں رہنے دیتے اور قومِ شیعہ میں تو یہ دستور ہے کہ ہر تقریر اور خطاب کے آخر میں ذکرِ مصائب اور مرثیہ ہوتا ہے اور یہ مرثیہ خوانی اور ذکرِ مصائب تقریر و خطاب کو ذہن نشین کرانے میں زیادہ مؤثر اور تعمیرِ کردار و تحریکِ جذبات کا زیادہ سبب بنتا ہے۔ بہ عبارتِ دیگر اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ معلومات کے ساتھ ساتھ انسان کے دل میں مہربانی و عطوفت بھی پیدا ہو تاکہ یہ دونوں مل کر جد و جہد کے جذبے ابھار سکیں۔

آثارِ حرکت

اسلام نے جو تحریک دنیا میں چلائی اس کے آثار بے شمار اور غیر معمولی ہیں جس کی تفصیل کے لیے ایک طولانی بحث درکار ہے مگر ان کی مختصر فہرست ذیل میں بیان کی جاتی ہے :

ایجادات ـــــ تعمیرات ـــــ طرز حیات میں تبدیلی ـــــ جدت ـــــ زندگی کے ہر گوشے میں ہنر مندی ـــــ علم و فن کی قدر و قیمت میں اضافہ ـــــ تعصب و خود بینی کو محو کرنا ـــــ جمود و رکود کو دور کرنا ـــــ استحصال کا خاتمہ ـــــ طاغوتی اور ظالمانہ نظام کی برطرفی ـــــ طبقاتی طرز اور طوائف الملوکی کو مٹانا ـــــ علم و ہنر کی نشر و اشاعت ـــــ منشیات و مسکنات سے پرہیز ـــــ لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچانا ـــــ فطری اور طبعی خصوصیات کی بنیاد پر عورت اور مرد کے حقوق میں عدالت ـــــ انقلاب برپا کرنا ـــــ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا ـــــ ناروا احکام کی تعمیل

سے انکار ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

اسلام نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان لوگوں کا منہ بند کر دیا جو یہ کہتے تھے کہ مذہب معاشرے کے لیے افیون اور نشہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ بتا دیا کہ مذہب نہ صرف یہ کہ نشہ اور افیون نہیں بلکہ بیداری اور ہوشیاری کا سبب ہے ۔ کیونکہ اسلام نے خود ایک مذہب کی حیثیت سے معاشرہ میں بے حسی اور بے حرکتی نہیں پیدا کی بلکہ اس کے برعکس اس نے معاشرہ کو بیدار اور ہوشیار کیا ۔ اس نے کسی فقیر اور مفلس سے یہ نہیں کہا کہ یہ قضا و قدر الٰہی ہے اسے تسلیم کرو بلکہ یہ کہا کہ اپنا حق ان لوگوں سے چھین لو جنھوں نے تم کو اس منزل پر پہنچایا ہے ۔

اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگ سلاطینِ جور اور اربابِ ظلم کے مقابلہ میں سکوت اختیار کریں بلکہ یہ کہتا ہے کہ مظلوم بنے رہنا ایسا ہی ہے جیسے ظالم بننا ۔ دونوں کی سزا جہنم ہے ۔ ظلم کے مقابلہ میں بے وقعت اور بے حیثیت بنے رہنا اور اپنے وجود کو ثابت نہ کرنا جرم ہے ۔

اسلام نے ان لوگوں کے اندر جو بظاہر زندہ لیکن مردہ دل تھے رُوح پھونک دی اور ان لوگوں کو جن کے پاس سوچنے اور سمجھنے کا وقت نہ تھا انھیں غور و فکر کا وقت فراہم کیا اور کہا کہ چلیں ایک جا بیٹھیں ، سوچیں اور دیکھیں کہ کیا بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ، بغیر جنبش و حرکت ان کی تقدیریں بدل سکتی ہیں ؟

یہی افکار و خیالات سینۂ تاریخ میں موجوں کی طرح آگے بڑھے اور معاشرے کے ظاہری و باطنی حالات تبدیل کر دیے ۔ زندگی کے سارے گوشوں کی کایا پلٹ دی اور ہر طرف قابل توجہ پیش رفت نظر آنے لگی اور بالآخر اس کے ایسے نتائج برآمد ہوئے

جس کی مثال ہمیں کسی دوسرے مکتب فکر اور مسلک میں نظر نہیں آتی۔

انقلابِ اسلامی کے نتائج

اسلام نے جس دن اپنا دامنِ تبلیغ پھیلایا اس دن اس میں اتنی توانائی تھی کہ اس نے چند مردہ اور بے حس انسانوں سے ایک ایسا معاشرہ تیار کرلیا جو زندہ متحرک اور تیز رو ہو اور نہ صرف یہ کہ وہ خود یخ بستہ اور منجمد نہ ہو بلکہ دوسروں کی بے حسی اور ان کے جمود و رکود کو دور کرنے کی فکر کرے۔

اسلامی افکار نے لوگوں کے دلوں میں ایسا ہنگامہ اور ایسا ولولہ پیدا کیا کہ وہ بے قرار ہو کر اٹھے اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں مثبت اصلاحات کے مواقع تلاش کرنے لگے۔

تحریک اسلامی کا حاصل ہر گوشہ حیات میں انقلاب و تبدیلی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ معاشرہ کے اندر اس کے نصب العین اور اس کے آداب و رسوم میں فرق آیا۔ انتظامیہ کے شعبہ میں مقصد بدلا۔ اور جنگ دفاعی سانچے میں ڈھلی — سیاست کے اندر تشکیل حکومت کا عنوان تبدیل ہوا۔

اخلاقی پہلو کو دیکھیے تو لوگوں کی عادتیں اور خصلتیں کچھ سے کچھ ہو گئیں اقتصادی حیثیت سے لوگوں کے تجربے، افکار اور عبادت میں تبدیلی آئی۔ از روئے فلسفہ مطالعۂ کائنات کے لیے اندازِ نظر میں تبدیلی پیدا ہوئی۔

اب ہم ان بیشتر مسائل میں سے چند کا تذکرہ کرتے ہیں جو درحقیقت اس تحریک اسلامی کا حاصل ہیں۔

(۱) علمی انقلاب

یہ درست ہے کہ کاوش و کرید کا احساس، علوم کی نشر و اشاعت اور اس کی

پیش رفت کا بجائے خود ایک اہم عامل اور موجب ہوتا ہے ۔ مگر یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اسلامی انقلاب نے علمی تحقیق و تلاش کے لیے بہت سے مواقع فراہم کیے ۔

اسلام نے تحصیل علم کے لیے عمر کی قید اور حد کو ختم کر دیا اور مہد سے لحد تک تعلیم کو لازمی قرار دے دیا اور اس طرح اس نے لہو و لعب کے لیے بھی کوئی زمانہ نہیں چھوڑا ۔ اس زمانہ میں بھی تحصیل علم کو فریضہ قرار دے دیا ۔

اس سلسلہ میں جغرافیائی حد کو بھی ہٹایا اور یہ کہہ دیا کہ علم حاصل کرو اگرچہ وہ مملکت چین ہی میں کیوں نہ ہو ۔

استاد اور معلم کے لیے مذہب کی بھی شرط نہیں رکھی اور فرمادیا کہ اگر معلم مشرک بھی ہو تو اس سے علم حاصل کرلو ۔ اور حد یہ ہے کہ اس نے اس کے لیے مقصد کی شرط بھی ہٹادی اور ارشاد ہوا کہ علم حاصل کرو خواہ وہ غیر خدا ہی کا کیوں نہ ہو ۔ اس لیے کہ نتیجہ تک پہنچ کر وہ خدا کا علم ہو جائے گا ۔

اسلام نے تعلیم و تربیت کے لیے نئے نئے راستے تجویز کیے ۔ ارشاد ہوا کہ لوگ نظر ڈالیں ، دیکھیں ، لمس کریں ، ٹٹولیں ، سیر و سیاحت کریں ، تجربہ کریں تاکہ حقائق تک پہنچ سکیں ۔

بنا بریں چاہیے تو یہ کہ ہمارے مسلم علمار اس آخری صدی میں بھی اہل مغرب کے معلم اور استاد ہوتے ، اپنے علم و تمدن کو وہاں جا کر پیش کرتے اور دنیائے مغرب میں پہنچ کر اپنی تحقیقات و انکشافات کے دروازے کھولتے لیکن اب وہ کیا اسباب ہیں کہ خود مسلمان لبالب علمی سرمایہ کے باوجود آج اہل مغرب کا دیا ہوا پس خوردہ کھا رہے ہیں ۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے لیے ایک

الگ مقالے کی ضرورت ہے ۔

۲ معاشرتی انقلاب

اسلامی انقلاب نے ایک ہی نظر میں قومی معاشرہ کو بدل کر رکھ دیا۔ اور قوم کے اندر جو غلط آداب و رسوم اور مہمل دستور و رواج جاری تھے انھیں تبدیل کیا اور ان کی جگہ ایسے آداب کو لایا جو جچے تلے اور سمجھے بوجھے تھے ۔

اسلام سے پہلے عرب قوم میں کیسے کیسے نامعقول آداب و رسوم اور کیسے کیسے خرافات اور توہمات رواج پائے ہوئے تھے ۔ کیسی کیسی غلط بندشیں تھیں جس نے انسان کو سچی زندگی سے دور کر دیا تھا ۔ کیا کیا قیود اور پابندیاں تھیں جو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی اسیری کا سبب بنی ہوئی تھیں ۔

اسلام آیا اور اس نے اپنے انقلاب کے ذریعہ بوسیدہ افکار اور دُور از کار اعمال کو مٹا دیا ۔ بلاوجہ کے امتیازات اور حقوق کو ختم کیا اور اس کی جگہ معاشرہ کی اصل روح کو پروان چڑھایا جو اسلامی انقلاب کا طرۂ امتیاز ہے ۔

اسلام نے تمدن کے معنی و مفہوم کو بھی بدلا ۔ وہ باتیں جو تمدن میں شمار ہوتیں لیکن حقیقت میں وہ سلاطین و سردارانِ قبائل کے بنائے ہوئے ڈھانچے کے سوا کچھ نہ تھیں ۔ اسلام نے ان سب کے متروک و مطرود ہونے کا اعلان کر دیا اور اس کی جگہ نئی نئی باتوں کے ساتھ تمدن کا ایک نیا خاکہ پیش کیا اور جس نے اس نئے خاکے کی موافقت کی اس کو متمدن کہا ۔

اس بنا پر اب تمدن ، لباس ہائے فاخرہ ، سرداری ، اونچے اونچے

قصروں اور پرشکوہ زندگی کا نام نہ تھا بلکہ وہ سیدھی سادی انسانیت کی باتیں تھیں جو ہر ایک کی پہنچ کے اندر ہوں ۔

(۳) اقتصادی انقلاب

اسلامی انقلاب کے تحت اقتصادی پہلو میں بھی انقلاب رونما ہوا ۔ آمدنی کو جائز اور مشروع طریقوں میں محصور کر دیا گیا اور اس سے بہرہ یابی کی شرط صرف اپنی اپنی صلاحیت تھی ۔

طبقاتی تضاد ختم ہو گیا ۔ جنبہ داریاں مٹ گئیں ۔ محنت و مزدوری دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کے لیے نہیں رہ گئی ۔ انفرادی اور قومی ملکیت کے درمیان تعارض اور ٹکراؤ کی بیخ کنی ہو گئی ۔ زکوٰۃ کو قومی نظام کا ایک حصہ بنا دیا گیا ۔ دولتمند لوگ ، غربا اور مساکین پر مہربان ہونے لگے ۔ آدمی نے آدمی کا استحصال کرنا چھوڑ دیا یتیموں ، محتاجوں اور ہمسایوں کی مدد کا رواج ہوا ۔ طبقاتی اختلاف مٹ گیا ۔ قومی آمدنی سے بہرہ مند ہونے میں کسی خاص نسل والوں یا کسی خاص مقام والوں کو ترجیح اور برتری نہیں رہ گئی ۔

بلا اجرت محنت یعنی بیگاریاں متروک ہوئیں ۔ زیر سایۂ ایمان تولیدِ تناسل میں اضافہ ہوا ۔ اس لیے کہ اس کو ایک کارِ عبادت شمار کیا جانے لگا ۔ فرد نے حدود شرع و قانون میں رہتے ہوئے اقتصادی آزادی پائی ۔ کسب زر ، آمدنی اور اس کے خرچ میں کھلی چھٹی اور بگ ٹٹ آزادی ختم ہو گئی ۔

انفاق و صدقات اور حکومت کی راست آمدنی اور مالیات ، قومی اخراجات پورا کرنے کا ذریعہ بنے ۔ کسب معاش کے امکانات سب کے لیے برابر ہو گئے ۔

بیت المال سے امیر وغریب سب کو برابر حصہ ملتا رہا۔ دلوانے اور فاتر العقل کو اپنا مال خرچ کرنا ممنوع قرار پایا۔

بتاؤ یہ دولت کہاں سے لائے اور کہاں لے جاؤ گے۔ اس قانون کا اطلاق بلا استثنا سب پر ہوا۔ یہی کنٹرول اور تقسیم دولت کا ذریعہ بنا۔ ملکیت محدود کر دی گئی اور غریبوں کے لیے کام کرنے اور بہرہ مند ہونے کے لیے راستہ کھل گیا۔

اس انقلاب سے مملکت کا خالی خزانہ اور وہ بھی عرب جیسے ملک کا پُر ہو گیا چنانچہ حضرت عمر کے دور میں یعنی حکومت اسلامی کے قیام کے صرف ایک چوتھائی صدی کے اندر دولت وثروت کی یہ فراوانی ہوئی کہ ہر بچہ کو پیدا ہوتے ہی ایک سو درہم کا وظیفہ مقرر ہو جاتا اور جب وہ بچہ دودھ پینا چھوڑ دیتا تو اس کا وظیفہ بڑھا کر دو سو درہم کر دیا جاتا۔

یا عمر بن عبدالعزیز کے دورِ حکومت میں، یعنی اسلامی حکومت کے قیام سے ایک صدی بعد دولت وثروت اس انتہا کو پہنچی کہ جو غلام مسلمان ہو جاتا اس کو خرید کر آزاد کر دیا جاتا۔ اور جب اس سے فارغ ہوتے تو اہل کتاب غلاموں کو بھی خرید کر آزاد کیا جاتا۔

(۴) اجتماعی انقلاب

اسلامی انقلاب کی وجہ سے اجتماعی پہلو میں بھی عظیم تبدیلیاں رونما ہوئیں اسی بنا پر لوگوں میں باہمی روابط اور تعلقات، مساوات، اخوت، مواسات اور ایثار پر استوار ہوئے۔ قومی امکانات ہر ایک کے لیے برابری کی سطح پر قرار پائے۔ لوگوں کو عقیدہ کی آزادی مل گئی، کاروبار میں آزادی حاصل ہوئی۔ قوم اپنے ہر فرد کے لیے پناہ گاہ

بن گئی، ہمسایوں، بچوں اور بزرگوں کی رعایت کی جانے لگی۔

قومی بنیادوں کا دفاع اصل قرار پایا، نسلی تعصب متروک ہو گیا۔ آپس کے اختلافات اور تفرقے دُور ہو گئے۔ اتحاد اور میل ملاپ بڑھ گیا فحشیات ختم ہو گئے۔ فقیری اور محتاجی کی اصلاح ہوئی۔ جہالت اور مرض برطرف ہوا۔ قوم میں نجابت، شرافت، عزت اور اخلاق کی جڑیں استوار ہوئیں۔ حدود سے بڑھ کر آزادیوں پر پابندی عائد ہو گئی، خودنمائی اور ریاکاری کے کاروبار درمیان سے اٹھا دیے گئے۔ ریا اور فخر و ناز کو دبا کر رکھا گیا۔

قوم میں مساوات، نظم و ضبط اور امانتداری آگئی، قومی زندگی میں مشارکت کا سلیقہ آیا۔ گروہ بندیاں سمٹ کر ایک وحدت میں آگئیں۔ کاہن پرستی متروک ہوئی۔ جدوجہد اور کوششوں کو نیا خاکہ اور نیا انداز مل گیا۔ بدنصیبی دُور ہوئی خوش نصیبی آگئی۔

وہ لوگ جو خود کو یہ سمجھتے تھے کہ ہم کسی چیز کے لائق نہیں ان کے دلوں میں بھی آرزوؤں اور تمناؤں کی دنیا آباد ہو گئی۔ وہ طاقت ور جو لوگوں پر حکومت چلاتے اور ان پر برتری دکھاتے تھے وہ اب کنارہ کش ہو گئے۔

بے حیثیت اور کمینے لوگ درمیان سے اٹھ گئے۔ نالائق کو مطرود اور نکال باہر کیا گیا۔ اب صرف وہی طبقہ ممتاز سمجھا جانے لگا جو صاحبِ تقویٰ تھا۔

اسلام ان تبدیلیوں کو کچھ اس طرح لایا کہ قوم میں دو گروہ صاف اور واضح طور پر پہچانے جانے لگے۔

ایک گروہ ان لوگوں کا جن میں ایمان تھا، اخوت تھی، محبت تھی، جدوجہد تھی، قدرت تھی، انسانیت تھی اور اخلاق تھا۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا جن میں تعصب تھا، کفر تھا، ذلت تھی، ظلم وجور تھا، وحشت اور بربریت تھی۔

یہ دونوں گروہ اس وقت بھی آپس میں ٹکراتے رہے، زمانۂ حال میں بھی ٹکرا رہے ہیں اور آئندہ بھی ٹکراتے رہیں گے۔ لیکن جہاں تک اسلامی جہاں بینی کا تعلق ہے اس میں خوش انجام اور فلاح یافتہ پہلا گروہ ہوگا۔

⑤ سیاسی انقلاب

اسلامی انقلاب، سیاست میں عظیم تبدیلیوں اور سیاسی راہوں کو بدلنے کا سبب بنا۔

بنا بریں اسلام میں اصل صلح وآشتی ہے۔ جنگ ایک وقتی اور عارضی شے ہے۔ داخلی تعلقات، مساوات، اخوت اور برابری کی بنیاد پر ہیں۔ خارجی تعلقات اچھے ہمسایہ کی بنیاد پر ہیں۔

عدالت کو کبھی حکومت سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بات ہر قوم میں ہونی چاہیے۔ حکومت کے سلسلہ میں سول اور فوج میں وحدت اور ہم آہنگی ہے۔ انتقام لینا متروک ومطرود ہے۔ دشمن کے گروہ سے بھی انسانیت کا سلوک ہونا چاہیے ——— !

امور مملکت میں لوگوں کو رائے دہی اور آواز بلند کرنے کا حق ہے حکومت کو مملکت کے امور میں لوگوں سے مشورہ لینا چاہیے۔ داخلی کشمکش اور اختلافات کو جہاں تک ممکن ہو جلد ختم کر دینا چاہیے، غیر ممالک سے نزاع کو بھی برطرف کر دینا چاہیے۔

مختلف پارٹیوں کی رہنمائی کی بنیاد پر حکومت ہونی چاہیے۔ دارالحکومت

کو ملک کے دیگر مقامات پر فوقیت نہیں ہے۔ حاکم اپنے انجام دیے ہوئے کاموں کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ سیاسی تحفظ کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حکومت کسی خاص طبقہ یا خاص نسل کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

عوام سے حکومت کے روابط اور تعلقات، خیر خواہی، اخوت، رفع و درگزشت کی بنیاد پر ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں منصب پرستی نہیں ہے۔ حکومت کے پاس جو طاقت ہے وہ عوام کی دی ہوئی ہے اور اس کی امانت ہے۔ جس روز عوام چاہیں حاکم کو اس کے منصب و مقام سے ہٹا سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور کی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کے اندر سیاسی شعور خاصا پیدا ہو گیا جو ان باتوں سے بالکل مختلف ہے جو اسلام سے پہلے موجود تھا۔ حد یہ ہے کہ سیاست بمعنی مکر و فریب یا حاکم بمعنی بلند اور بڑے ہونے کی نشانی اسلام میں بالکل غلط ہے۔

یہ انقلابات سب سے پہلے ذہنوں میں پیدا ہوئے، پھر روح سے مخلوط ہو کر رگ رگ میں سمائے پھر انھوں نے اعتقادی شکل اختیار کر لی اور لوگوں میں تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ اور انسانوں کے سامنے ایک خاص روش اور خاص راستہ پیش کیا۔
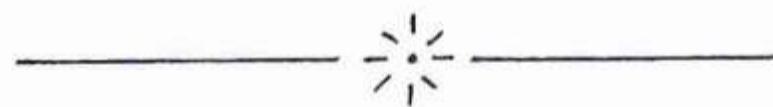
انقلابِ اسلامی کی مخالف قوتیں

دشمن اس انقلاب کو مجروح کرنے کے لیے جنگ و جدال پر اُتر آیا ــــــــ!

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جب کوئی تحریک اٹھتی ہے یا جب کوئی انقلاب آتا ہے تو اس انقلاب سے پہلے جو لوگ قوم کے رہنما اور چودھری بنے رہتے ہیں۔ وہ اس انقلاب سے ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کا ایک گروہ اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس انقلاب کی آگ بجھ جائے اور اس جد و جہد کو ناکام کر دیا جائے۔ اور چونکہ اسلام بھی ایک تحریک اور ایک انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس قانون سے مستثنیٰ کیسے ہو سکتا تھا۔

ان رہنماؤں اور چودھریوں نے دیکھا کہ ان کے مفادات خطرے میں ہیں تو انھوں نے آستینیں چڑھائی اور اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح اس بڑھتی ہوئی تحریک کو درہم برہم کر دیں اور اسلامی قوت کو شکست دے دیں۔

اور اس سلسلہ میں انھوں نے جوانمردی کے خلاف کیا کیا کام نہ کیے اور اسلام پر کیا کیا ضربیں نہیں لگائیں۔

انقلابِ اسلامی کو درہم برہم کرنے کے لیے ان لوگوں نے بہت سے طریقے اختیار کیے منجملہ ان کے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

① ترکِ موالات اور اقتصادی بائیکاٹ

دشمن نے اس انقلاب کو کچلنے کے لیے کوشش یہ کی کہ پیروانِ اسلام کو مالی مشکلات میں ڈال دے۔ اور یہ کام اس نے اس طرح کیا کہ پیغمبر اکرمؐ اور آپؐ کے ساتھی کئی برس تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ اور ان کے پاس روزی کمانے اور زندگی گزارنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا۔

دشمن نے اعلان کر دیا کہ کوئی شخص ان لوگوں سے خرید و فروخت نہ کرے زندگی بسر کرنے اور روزی کمانے کی راہیں بالکل مسدود کر دی گئیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے راتوں کو رویا کرتے۔ اہلِ مکہ ان کی فریادیں سنا کرتے، انھیں دکھ ہوتا مگر دشمن کے خوف سے وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

مگر ان تمام مصائب کے باوجود ان لوگوں نے اپنی تحریک جاری رکھی اپنے عقیدہ کو نہیں چھوڑا اور اسلام کی سچائی اور حقانیت کے معتقد اور وفادار رہے۔

اور یہی طریقہ بعد میں بھی دوسرے مخالف گروہ نے جاری رکھا۔ نتیجہ میں خاندانِ رسالت مال فیٔ اور بیت المال سے محروم ہو گئے۔ فدک ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ نیز دیگر مالی تنگی اور پریشانی سے دوچار ہوئے۔

اور یہ سلسلہ ایسا چلا کہ پیغمبر اسلامؐ کے سچے اصحاب اور اس کے بعد

شیعیانِ علیؑ بھی اسی زد میں آئے۔
جو شخص شیعہ یا متہم بہ شیعہ ہوتا، اپنے حقوق اور دیگر فرائض سے محروم کر دیا جاتا اور اس کے سارے کام بگڑتے جاتے۔

② تشدّد

جب دشمن نے دیکھا کہ ترکِ موالات اور اقتصادی بائیکاٹ سے کچھ حاصل نہ ہوا تو اس نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور وہ تھا تشدّد۔
دشمنوں نے اہلِ ایمان کو ستانا اور آزار پہنچانا شروع کر دیا اور ان کو شکنجہ میں کسنے لگے، مارنے پیٹنے اور زخمی کرنے لگے اور اس کے نتیجہ میں حضرت سمیہ شکم دریدہ ہوگئیں، حضرت یاسر شہید ہوگئے، بلال تازیانوں سے زخمی کر دیے گئے۔ ابوذر نے مار کھائی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سخت ضربات کی بنا پر دنیا سے رخصت ہوگئے حضرت فاطمہ زہراؑ دخترِ پیغمبرِ اکرمؐ پر دروازہ گرا دیا گیا جس سے ان کا پہلو شکستہ ہوا اور حمل ساقط ہو گیا۔ پھر حضرت علیؑ اور ان کے دونوں فرزند شہید کر دیے گئے۔

یہ تشدد کی سیاست اس کے بعد بھی جاری رہی، بہت سے لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ تالو سے زبانیں نکال کر کاٹ دی گئیں۔ کچھ کو قید خانوں میں بے آب و دانہ رکھا گیا، کچھ کو دیواروں میں چنوا دیا گیا اور کچھ کو زندہ زمین میں دفن کر دیا گیا۔

مگر ان کے ان اقدامات سے بھی کام نہ چلا۔ رعب، تہدید، شکنجہ وغیرہ سب بے کار ہوئے اور مسلمانوں کو تحریک اور انقلاب انگیزی سے باز نہ رکھ سکے۔ دشمنوں کے دلوں میں منحوس آگ بھڑکتی ہی رہ گئی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا تدبیر کریں۔

③ دینی حربہ

مگر دشمنوں نے ایک دوسرا طریقہ سوچا اور وہ یہ کہ دینِ اسلام پر دینی حربوں سے حملہ کیا جائے کیونکہ انھیں یہ معلوم تھا کہ دلوں پر دین کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اس بنا پر انھوں نے اسلامی تعلیمات کو ناکارہ اور غیر مؤثر بنا دینے کی کوشش شروع کر دی۔ خصوصاً وہ تعلیمات جن کا تعلق حرکت وجنبش اور انقلاب سے تھا۔

مثلاً معاویہ نے جو اس کام میں خصوصی مہارت اور دسترس رکھتا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ لوگوں میں مسئلہ جبر کی ترویج اور اشاعت کرے۔ لوگوں کو مذہب کے نام پر حاکم وقت کا ہر طرح تابع فرمان بنا دے۔ اس لیے اس نے عبداللہ ابن عمر سے ایک حدیث وضع کرا کر لوگوں کو سنوائی۔ اس حدیث میں دعویٰ یہ تھا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا :

> "اے مسلمانو! سنو، میرے بعد حاکمانِ وقت کی جانب سے ناجائز امور اور ناانصافیاں اور جنبہ داریاں تمھیں دیکھنی پڑیں گی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر اس وقت ہم لوگوں کا کیا فریضہ ہوگا۔ بتائیے کہ ہم لوگ کیا کریں گے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس وقت تم لوگ حاکمان وقت کا حق بے چون وچرا ادا کرتے رہنا (ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہنا) اور اپنا حق خدا سے طلب کرتے رہنا۔"

اس طرح دشمنان دین، مذہب کے ذریعہ مذہب پر ضرب لگانے کے لیے

تیار ہو گئے اور لوگوں کے دلوں میں یہ بٹھانے کی کوشش کرنے لگے کہ ظلم کے مقابلے میں صبر کرنا چاہیے اور جب اس سے نجات کی خود بخود کوئی تدبیر نہ نکلے تو دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس کی اصلاح کر دے اور اگر اس کے بعد بھی اصلاح نہ ہو تو پھر صرف اسس کی دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس ظالم پر اس کے کسی باپ کو مسلط کر دے جو اس کو درست کر دے۔ مسلمانوں کو اسس کے خلاف کسی اقدام کا حق نہیں ہے۔

۴ وضع حدیث

دشمنوں نے انقلاب اسلامی کو کچلنے کے لیے وضع حدیث سے بھی کام لیا۔ معاویہ اور اس کے سرکار نے بہت سے راویان حدیث کو ملازم رکھ لیا تھا تاکہ وہ حکومت کے تمام اقدامات وصادرات و واردات کے تحت کوئی حدیث وضع کر کے لوگوں کو حکومت کا مطیع بناتے رہیں۔ اور انقلاب اسلامی کو غیر مؤثر بنا دیں۔

یہ لوگ اس کے لیے ایک بہت بڑا جال پھیلائے ہوئے تھے جن کے اہم افراد ہیں ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر، کعب الاحبار، مغیرہ بن شعبہ، عمرو عاص اور عروۃ بن زبیر وغیرہ تھے۔

ان کا کام یہ تھا کہ خاندان پیغمبر اکرمؐ کی مذمت اور بنی امیہ کی مدح میں اشعار فراہم کریں اور احادیث وضع کریں۔

جو حدیثیں یہ لوگ بناتے اور وضع کرتے تھے ان سب کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ ظلم، بھوک اور محرومی کو قبول کرتے رہیں اور کچھ نہ بولیں۔ اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ اس لیے کہ ظلم کے خلاف کوئی قدم اٹھانا دین کے خلاف ہے۔

حجاج کا بیان ہے کہ:

ایک مرتبہ ابوہریرہ نے مجھ سے پوچھا۔ تم کہاں کے

رہنے والے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اہل عراق میں سے
ہوں۔ تو انھوں نے کہا سنو! ممکن ہے حکومت شام
کے کارندے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے وہاں پہنچیں
تو تم ان کے استقبال کے لیے جانا اور وہ لوگ ابھی
دور ہی ہوں کہ ان سے مل کر کہنا آپ لوگوں کو زکوٰۃ
کی مد میں جو کچھ لینا ہو وہ مجھ سے لے لیں۔ اگر تم ایسا
کرو گے تو تم کو ثواب زیادہ ملے گا۔ اور اگر تم نے ایسا
نہیں کیا تو وہ لوگ تمھارے وہاں پہنچ کر زکوٰۃ تو تم
سے وصول کر ہی لیں گے مگر تم مزید ثواب سے محروم
رہ جاؤ گے۔ یہ کام تمھارے حسنات میں شمار ہو گا
اور صبر کرنا کہ اس کا اجر تم قیامت میں پاؤ گے۔"

ابو ہریرہ نے اس شخص کے سامنے یہ مسئلہ پیش کر کے اس کے ذہن و فکر کو معاویہ کے متعلق پہلے سے آمادہ کر لیا اور وہ اور دوسرے مسلمان معاویہ کو محبوب پیغمبر، کاتبِ وحی، خال المومنین اور پیغمبر اکرمؐ کا خلیفہ جانتے تھے۔
ان کا خیال تھا کہ معاویہ کے کارندوں تک کے سامنے سر تسلیم خم کرنا موجبِ ثواب اور سبب تقربِ الٰہی ہے! چہ جائیکہ خود معاویہ کی اطاعت!!

یہ اور اس طرح کے دسیوں طریقے تھے جنھیں دشمنان اسلام استعمال کر کے حرکتِ اسلامی اور اس کی جدوجہد کو بے اثر بنانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔
اور وہ اس میں ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔
آپ خود ہی غور کریں اور دیکھیں کہ اگر اسلامی تعلیمات کو بے اثر بنانے

کے لیے یہ سب حربے استعمال نہ کیے جاتے تو اسلام اب تک کہاں سے کہاں پہنچا ہوتا اور کیا کیا ترقی کر چکا ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اسلام کو کچلا گیا اتنا کسی دوسرے مذہب و مسلک کو نہیں کچلا گیا اور دنیا کا کوئی ازم اور کوئی نظام داخلی طور پر ایسے افسوسناک حالات سے دوچار نہیں ہوا۔

اسلام کے داخلی دشمن اسلام کے نام سے اسلام کے خلاف نبرد آزما اور اقدام کناں تھے۔ اس کو اسلام پر شدید ترین ضرب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔
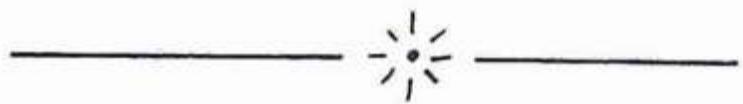
تحریک کا مسلسل جاری رہنا

ایسے حالات اور ایسے ماحول کے ہوتے ہوئے اسلام ایک لحظہ کے لیے بھی اپنی جد وجہد سے باز نہیں آیا۔ اس نے احقاقِ حق اور قیامِ عدل کے لیے مبارزہ اور مقابلہ کیا اور اس سلسلہ میں اس نے اپنے تمام امکانات اور اپنے ہر چھوٹے بڑے سے کام لیا اور وہ پرچم جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند کر گئے تھے اسی طرح بلند رہا اور بزرگ صحابہ و تابعین کے دوش پر لہراتا رہا۔

اسلام مسلسل حرکت اور جد وجہد میں مصروف رہا۔ جدید بننے اور خود کی تجدید کرنے یا اس کے علاوہ کسی اور ضرورت کے لیے نہیں ٹھہرا۔ وہ اپنے زمانے کے سازگار ہونے کا محتاج بنکر خاموش اور ساکت و صامت نہیں ہو گیا۔

اسلام کی جد وجہد اور حرکت مسلسل تھی اور ہے۔ وہ ہمیشہ پیش قدمی کرتا ہوا اپنے مقصد کی طرف رواں دواں تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اسلام ٹھہر جائے

اور اپنے عمل کو روک لے اور اس کی تحریک کسی اور انداز میں تبدیل ہو جائے۔
حد تو یہ ہے کہ جس وقت اس کی ساری راہیں مسدود کر دی گئیں اور اس کے لیے آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نہ تھا تو اس وقت بھی اس نے سکون اور سکوت اختیار نہیں کیا اور اس نے اپنی جد و جہد کو بصورت ہجرت جاری رکھا۔

ہمیں حرکتِ اسلامی کا تسلسل بعد رحلتِ سرورِ کائنات ؐ بھی مختلف اقدامات کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(١) اقداماتِ شیعہ

ہم اس حرکت و سیر اسلامی کے ذیل میں فرقہ شیعہ کو دیکھتے ہیں جس کا نام خود پیغمبرِ اسلام ؐ نے اپنی زبان مبارک سے شیعہ رکھا۔ اور جس کا بیج مقام غدیر بلکہ اس سے پہلے بویا گیا تھا۔ اس فرقہ نے اس امر کی ذمہ داری قبول کی کہ قرآن اور عترت دونوں کو ساتھ لے کر چلیں گے اور جب دنیا سے جائیں گے تو ان دونوں کو حوضِ کوثر پر پیغمبرِ اسلام ؐ کی خدمت میں پہنچا دیں گے۔

شیعہ کی اگر تعبیر کی جا سکتی ہے تو وہ صرف اسلامِ متحرک یا اسلامِ پُرجنبش سے ہی کی جا سکتی ہے جس نے پوری تاریخ اسلام میں اس امر کی کوشش کی کہ تحریکِ اسلامی کو زندہ رکھے اور الحق کہ اس نے اپنی پُرثمر اور پُرآشوب زندگی میں اپنی پوری ذمہ داری نبھائی اور وفائے عہد کے اعلیٰ ترین نقوش چھوڑے۔

شیعیت اپنے افکار اور نظریہ کی بنا پر اس امر کی واقعی ذمہ دار ہے کہ وہ اس اسلامی تحریک کو دوام بخشے اور اس کی سرحد کو ابدیت سے ملا دے۔ اسے

مسلسل جاری وساری رکھے، اس میں رکود وجمود پیدا نہ ہونے دے، اس کو فرسودہ اور بوسیدہ نہ ہونے دے۔

۲ قیامِ عدل کی تحریکیں چلانے والے

تاریخ کے طویل دور میں بہت سے گروہ اور فرقے ایسے وجود میں آئے جو قیام عدل کے خواہش مند تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کے لیے کون سی راہ اختیار کی جائے۔ اس لیے انھوں نے اسلام کو بطور نمونہ اور مثال اپنے سامنے رکھا۔

ان لوگوں نے اسلام کے عملی خطوط کو اپنا راہنما بنایا اور کوشش کی کہ اس کے اتباع میں اپنی تحریک کو آگے بڑھائیں اور اسے جاری رکھیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے ان کو اپنی تحریک میں بے حد مدد ملی۔

اسلام کا یہ طرز فکر ایسے لوگوں کے لیے بھی نمونہ اور مثال بنا جو واقعی اسلام کے معتقد نہ تھے بلکہ مسیحی یا لادین اور دہریے تھے۔ مگر انھوں نے تجربہ کر کے اور آزما کر یہ بتایا کہ طرز تحریکِ اسلامی بہت تعمیری، بہت مفید ہے اور اس کی راہ بہت زیادہ منزل رسا ہے۔

۳ دوسری تحریکیں

دوسری تحریکیں جو بظاہر اسلامی شکل وصورت میں نظر آتی تھیں یا اگر کچھ نہیں تو اسلامی تحریک کے افکار کی پیداوار تھیں لیکن ہمارے ائمہ اہلبیتؑ کے قیام اور انقلابی جد وجہد سے مغایرت رکھتی تھیں۔ مثال کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے عبداللہ ابن زبیر کی جنگ، انقلابِ مختار، انقلابِ ناصر المومنین ـــــ

انقلاب وتحریکِ زید بن علی ، توابین وغیرہ کے انقلابات وجد وجہد کہ ان میں سے ہر ایک اپنی ایک الگ تاریخ ، ایک الگ پروگرام اور ایک مخصوص سمت اختیار کیے ہوئے تھی۔

یہ تحریکیں کس امر کی نشاندہی کرتی ہیں

یہ تمام تحریکیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اسلامی فکر اور سوچ کسی دَور اور کسی سرزمین میں غیر متحرک نہیں ہوئی ۔ یہ تحریک وانقلاب صرف دورِ رسالت ؐ یا دورِ علوی ؑ یا دورِ حسینی ؑ کے لیے مخصوص نہ تھا۔

اسلامی انقلاب ایک ابدی انقلابِ مسلسل ومتواتر ہے۔ یہ تعمیری کوشش ہے۔ کسی مسلمان کا اگر کوئی لمحہ غیر متحرک و راکد و جامد گزرتا ہے تو وہ لمحہ اس کے گناہ میں محسوب ہوتا ہے ۔

اسلام ظالموں کے خلاف ، باغیوں اور غاصبوں کے خلاف، محرومین اور مستضعفین کے دفاع میں مسلسل جنگ اور جہاد میں مصروف رہتا ہے۔ اور اپنے ان اقدامات میں وہ اس کا قائل ہے کہ خالص اور صاف وستھرا اسلام کھل کر لوگوں کے سامنے آئے ، اس کی پیش رفت اور ترقی زیادہ ہو اور لوگوں کو زیادہ محسوس ہونے لگے۔

پانی جب تک پستیوں اور بلندیوں سے ہو کر گزرتا رہتا ہے۔ صاف و شفاف رہتا ہے مگر جب وہی پانی کسی مسطح نشیب میں پہنچتا ہے تو اس کی روانی ختم ہو جاتی ہے اور معمولی سے ٹھراؤ سے اس میں جھاگ بلند ہو جاتا ہے ۔
اسلام بھی اپنی صفائی اور ستھرائی میں پانی کے مانند ہے۔ جب تک

اس میں حرکت اور روانی ہے یہ صاف و شفاف ہے اور جہاں اس میں ٹھہراؤ پیدا ہوا تو اس کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں اس میں بوسیدگی نہ آجائے۔ کہیں اس کی جاذبیت اور کشش میں کمی نہ آجائے، کہیں اس کا جوش اور اس کی حرارت ختم نہ ہو جائے۔

انھیں تمام صورتوں کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ اسلام کی شادابی اور لہلہاہٹ و جنبش کی حفاظت کی گئی۔ اور کوشش کی گئی کہ اس کا سفر ہمیشہ جاری رہے تاکہ اس میں آرائش و زیبائش اور کمال پیدا ہو اور بہترین اخلاق و انسانیت کا سبب بنے اسلام کے رہنماؤں اور محافظین نے یہی رویہ اختیار کیا اور اس اعلیٰ مقصد کے حصول کی راہیں طے کرتے رہے۔

قائدینِ تحریک

اس تحریک کی بالکل ابتدا میں جبکہ اس کی بنیاد رکھی گئی اور یہ ظاہر ہوئی۔ ہم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے دلِ پُرولولہ، قلبِ پُرامید اور خندہ پیشانی کے ساتھ اپنا فریضۂ رسالت ادا فرمایا۔ اگرچہ اس راہ میں آپؐ کو ہزاروں رنج و مصائب جھیلنے پڑے اور نہ صرف اپنی ذات کے مصائب جھیلے بلکہ اپنے پیارے عزیزوں اور مخلص دوستوں کی شہادت بھی دیکھی۔ جیسے حضرت حمزہؓ سیدالشہدا اور دیگر شہدائے اسلام وغیرہ۔

اور ہم آنحضرتؐ کے ساتھ آپؐ کے چند وفادار ساتھیوں، سچے جانبازوں اور مخلص دوستوں کو بھی دیکھتے ہیں کہ انھوں نے بھی پوری تندہی سے اس امر کی کوشش کی کہ اس اسلامی تحریک کو پر رونق و تابناک بنائیں۔ اس گروہ کے چند افراد مندرجہ ذیل ہیں۔

① حضرت علیؑ

آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بھائی، آپؐ کے چچا کے فرزند، آپؐ کے داماد اور آپؐ کے سچّے جانشین تھے اور ہر موقع پر جدھر جدھر پیمبر اکرمؐ جاتے آپؑ ان کے پیچھے پیچھے رہتے۔

خود فرماتے ہیں کہ:

"جس طرح بچۂ شتر اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے
اسی طرح میں پیمبر اکرمؐ کے پیچھے پیچھے چلتا اور ان
کے نشانِ قدم پر اپنے قدم رکھتا تھا۔"

جس وقت پیغمبر اسلامؐ محاصرہ میں تھے اور شعب ابی طالبؑ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس وقت حضرت علیؑ اگرچہ کمسن تھے مگر اپنے ننھے ننھے ہاتھوں اور مضبوط قدموں سے پیغمبر اسلامؐ اور ان کی تحریک کی مدد کر رہے تھے۔

پھر جس وقت مسئلہ ہجرت درپیش ہوا۔ یہ بستر رسولؐ پر سوئے اور اپنی جان کو بے شمار خطرات میں ڈالا۔ اس کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے پاس لوگوں کی رکھی ہوئی امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر کے حرمِ رسولؐ کو ساتھ لیا اور انھیں مدینہ پہنچایا۔

جب حق و باطل کی جنگ چھڑی تو آپؑ نے اپنی شمشیر کی ایک ہی ضربت سے اسلام کو کفر پر غالب و فتحیاب کیا اور اپنے لیے عبادتِ ثقلین کے برابر بلکہ اس سے افضل ثواب حاصل کر لیا۔

پھر جس وقت پیغمبرِ اسلامؐ حالتِ نزع میں تھے، ان کا سر علیؑ کے

سینہ پر دھرا تھا اور آپؐ نے اس وقت بھی علم کے ہزار باب حضرت علیؑ کو تعلیم فرما دیے۔

جس وقت دشمن نے حکومت سے آپؑ کو دُور کر دیا، آپؑ نے اپنی معجز نما خاموشی سے اسلام کو داخلی و خارجی حملوں کے خطرات سے بچایا۔

اور بالآخر جس دن آپؑ کو خلافتِ ظاہری ملی آپؑ نے اسلامی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور یوں ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ اور ایک مثال پیش کر دی اور بالآخر حق وعدل کے لیے قربان ہو گئے۔ سر پر تلوار کی ضرب کھائی مگر ظلم اور ناانصافی کو قبول نہیں کیا۔

۲ حضرت ابوذرؓ

حضرت ابوذرؓ کا شمار ان سابقینِ اسلام میں سے ہے جنھوں نے اسلام کو شعار و کردار عطا کیا۔ اور وہ بھی پیغمبرِ اسلامؐ کی مکی زندگی کے پرخوف دور میں۔

آپ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکہ میں باآوازِ بلند اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ کہا اور اپنی اسی آواز اور اسی کردار پر ایک دن ڈنڈے کھائے اور اگر آنحضرتؐ کے چچا عباس نہ ہوتے تو غالبًا مر ہی جاتے۔

دوسرے دن بھی اگرچہ ادھ مُوئے ہو چکے تھے مگر اس سے بھی زیادہ مکرر آواز بلند کی اور اتنے ڈنڈے کھائے کہ پھر مرتے مرتے بچے۔ اس طرح وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے کانوں کو حق بات سننے کی عادت ڈال دیں خواہ حق کہنے والے پر کتنی ہی مصیبت کیوں نہ گزر جائے۔

آنحضرتؐ کے ان بزرگ صحابی نے آنحضرتؐ سے اور آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؑ سے درس لیا تھا۔ انھوں نے اس تحریک کے سلسلہ میں ایسی ثابت قدمی دکھائی اور مصائب کا اس طرح مقابلہ کیا کہ سرزمین ربذہ پر بے آب و دانہ مرجانے کو سرمایہ پرستی کی زندگی پر جس کی نمائندگی عثمان کر رہے تھے ترجیح دی۔ یہ معاویہ کے قابو میں آئے نہ عثمان کے اور اس صحرا میں تن تنہا بھوکے پیاسے جان دے دی۔

(۳) حضرت حجر بن عدیؓ

یہ وہ بزرگ ہیں جن کو اصحاب رسولؐ مردِ متقی و پارسا کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے اور یہ آپؐ کے معتمد اور برگزیدہ ترین افراد میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کی شجاعت و عظمت کی اس سے بڑھ کر اور دلیل کیا ہوگی کہ آپ نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔ قتل ہونا قبول کر لیا مگر اپنے امام سے بیزاری کے اظہار کے لیے تیار نہ ہوئے۔

وہ لوگ جو اس اسلامی تحریک کے سلسلہ میں، تحریک کی ایک اعلیٰ اور مثالی شخصیت (حضرت علیؑ) کو لوگوں کے سامنے غیر ممدوح اور ناپسندیدہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے، حضرت حجر بن عدیؓ ان لوگوں کو تنقید کا نشانہ بناتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب مغیرہ اور زیاد بن ابیہ بر سر منبر حضرت علیؑ کو ناسزا کہہ رہے تھے، آپ منبر کے قریب سے اٹھے اور کہنے لگے:

> "میں گواہی دیتا ہوں کہ جس ذاتِ گرامی کو تم لوگ بُرا کہہ رہے ہو وہ حد درجہ قابلِ تعریف ہے اور جس کی تم لوگ تعریف کر رہے ہو وہ حد درجہ قابلِ مذمت ہے۔"

یہ سُن کر مجمع سے بہت سے لوگ آپ کے ہم آواز ہو گئے اور کہنے لگے کہ واقعاً حجر بن عدیؓ سچ کہتے ہیں۔

اس بات پر اور اسی طرح کی دوسری باتوں پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور جلّاد قتل کا پروانہ اور کفن لیے ہوئے آپ کے پاس آیا اور بولا کہ :

" علی ابن ابی طالبؑ پر لعنت کرو اور ان سے تبرّا کرو ورنہ قتل کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

آپ نے جواب دیا :

" تو جو کچھ مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے اس سے زیادہ آسان تیری تلوار کی دھار کو قبول کرنا ہے۔"

باوجودیکہ آپ وہ سب سے پہلے مسلمان سپاہی تھے جو مرج عذرا میں تحریکِ اسلامی کی حرمت قائم رکھنے کے لیے اٹھے اور اس سرزمین کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انھیں کھدی ہوئی قبر کے پاس لایا گیا اور بغیر اس کے کہ آپ نے کوئی ایسی بات کہی ہو جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو، آپ کو اسی بے بسی کے عالم میں قتل کر دیا گیا۔

(۴) حضرت حسن ابن علیؑ

آپؑ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے فرزند اور نور دیدۂ رسولؐ تھے جو حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کی تحریک کے سلسلہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی میں قربان ہو گئے۔

آپؑ کے پدرِ بزرگوار حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپؑ کی بیعت

اس بات پر کی کہ ان کی رہنمائی میں اسلامی تحریک کا تسلسل قائم رکھیں گے اور آپؑ نے اپنی حکومت کی مختصر سی مدت میں بہترین انداز سے امورِ حکومت انجام دیے۔ اور دینِ خدا کی حفاظت کی۔

مگر محض اس لیے کہ اس تحریک کی راہ سے کہیں خود اسلام پر آنچ نہ آجائے اور وہ چند بزرگانِ شیعہ جن کے سینوں میں علومِ قرآن ودیعت ہیں کہیں اس نبرد آزمائی میں ختم نہ ہو جائیں۔ اس لیے ایک قہرمانہ اور غالبانہ نرمی کے ساتھ بے ساختہ آگ میں کود پڑے اور دشمن کی قرارداد پر چند شرائط کے ساتھ دستخط فرما دیے۔

اس کے بعد اگرچہ آپؑ خاموش ہو کر بیٹھ گئے مگر اس کے باوجود آپؑ کو بارہا زہر دیا گیا اور کلیجہ کو چھلنی کر دیا گیا۔ مگر ہر مرتبہ آپؑ مرتے مرتے بچے۔ آخر کار معاویہ کی سازش سے آپؑ کی ایک زوجہ کے ہاتھوں آپؑ کو ایسا زہر دیا گیا کہ تھوڑی ہی دیر میں آپؑ اسلام کی راہ میں شہید ہو گئے۔

⑤ حضرت حسین ابن علیؑ

یہ وہ ذاتِ گرامی ہیں جنھیں ہم لوگ سید الشہدار کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپؑ ایک انتہائی بحرانی دور میں اپنے چند رفقا کے ساتھ اٹھے۔ یہ وہ دور تھا جس میں معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا دیا گیا تھا۔ اسلام کا صرف اسم اور قرآن کا صرف رسم باقی رہ گیا تھا۔ اور سب کچھ بنی امیہ کے ہاتھوں برباد و تاراج ہو چکا تھا۔

آپؑ اٹھے، مگر اس مقصد سے نہیں کہ کوئی شورش برپا کریں گے یا فتنہ و فساد پھیلائیں گے۔ بلکہ آپؑ اپنے جد کی امت کی اصلاح کے خواہاں تھے۔

آپؑ کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں۔ اور تحریکِ اسلامی اور اس کی راہ کو دوام بخشیں۔

اس کے لیے آپؑ مدینے سے مکہ اور مکہ سے کربلا تشریف لائے۔ اور گرمی کے دنوں میں، سخت دھوپ میں، ان ہزاروں مسلمانوں کے سامنے خطبہ خواں ہوئے جو ابھی تک اپنے خدا سے بے خبر تھے۔

آپؑ نے ان کے سامنے اپنے سفر کا سبب اور اسلام کا مقصد بیان کیا اور باطل کے مقابلہ میں پوری قوت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

انتہائی بہادری کے ساتھ جنگ کی اور اسی روز پیاسے اور مظلوم اپنے تمام رفقا، اپنے فرزندوں بلکہ اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ شہید ہو گئے۔

۶ قیامہائے دیگر

اس سلسلے میں ہم نے شہدائے اسلام میں سے صرف چند کے نام پیش کیے ہیں حالانکہ سینکڑوں شہداء کے نام اس سلسلہ میں لیے جاسکتے ہیں۔ مگر ان کے نام اور ان کی جدوجہد کی نوعیت اگر یہاں بیان کی جائے تو اس کے لیے کئی کتابیں درکار ہوں گی اور دفتر کے دفتر لکھنے پڑیں گے۔ ہم نے تو یہاں ان چند شخصیتوں کے نام لیے ہیں کہ جن کے جہاد نے انقلاب اسلامی کو بہت نفع پہنچایا۔

اصولاً مذہبِ اسلام ایک زندہ اور پُر حرکت مذہب ہے۔ یہ اپنے پیروؤں میں ایسا جوش وخروش اور شجاعت و بہادری پیدا کرتا ہے کہ جس سے وہ اور دوسرے افراد احقاقِ حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں مصیبت، شہادت، قید خانے اور زنجیر کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔

تاریخ کے طویل سلسلہ میں جس قدر بھی شیعہ مجاہدین گزرے ہیں ان کا جہاد اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور وہ سب انقلابِ اسلامی کے ذیل کی کڑیاں ہیں۔ ظالم حکام اور فرمانرواؤں کی یہ کوشش رہی کہ کسی طرح اس انقلابی جد وجہد کو کچل دیں اور وہ انقلاب جو ان کے لیے ناک کے بال کی حیثیت رکھتا ہے اس سے دوری اختیار کریں۔

لیکن پیروانِ اسلام اور خصوصاً ہمارے ائمۂ طاہرین علیہم السلام جو اس امر کی کوشش کرتے رہے کہ یہ انقلابی جد وجہد ہمیشہ جاری رہے اور مختلف شکلوں سے باقی رہے، ان لوگوں کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر یہ ائمہ، یہ رہبرانِ اسلامی، اسلامی انقلاب کے لیے جد وجہد میں مصروف نہ تھے تو پھر یہ قید خانوں میں کیا کر رہے تھے۔ یہ کیوں جنگ کر رہے تھے۔ یہ کیوں میدان جنگ میں، کیوں اپنے گھروں میں اور کیوں قید خانوں میں قتل کیے گئے؟

اور اگر وہ اس جد وجہد میں نہیں تھے تو ان کے گھروں کا محاصرہ کیوں ہوتا تھا۔ وہ شکنجوں میں کیوں کسے ہوتے تھے وہ کیوں مصائب برداشت کر رہے تھے۔ وہ افلاس اور تنگی میں کیوں بسر کر رہے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جہاد ہمیشہ جاری رہا۔ چنانچہ ہمارے اس دور اور اس زمانہ میں بھی حصول آزادی کی جد وجہد دنیا کے مختلف حصّوں جیسے الجزائر وغیرہ میں چھڑی ہوئی ہے۔ اور یہ اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ اس دور میں بھی اسلام آزادی بخش ہے۔

راہِ انقلاب کی صعوبتیں

انقلابِ اسلامی کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انقلاب مسلمانوں کے لیے نہ بالکل مفت یا سستا اور نہ محض فوائد کا حامل ثابت ہوا۔ اہل اسلام کو اس چودہ سو سال کی طویل مدت میں قید و بند اور قتل و غارت کو برداشت کرنا پڑا۔ انھیں مسلحانہ رکاوٹوں اور طرح طرح کے آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں نے اپنے اس انقلاب کے سلسلہ میں بہت سی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی مصیبتیں جھیلیں۔

وہ لوگ جنھیں اس انقلاب سے اپنے مفادات خطرے میں نظر آرہے تھے انھوں نے ہر طرف جنگ کی آگ بھڑکادی۔ مسلمانوں کو مجبوراً قوتِ لایموت پر قناعت کرنا پڑی۔ اقتصادی محاصرے نے ان کی زندگی کو تاریک بنادیا۔ وہ مادی فقر و افلاس میں جل رہے تھے۔

حد یہ ہے کہ کبھی کبھی تو ان کے پاس پینے کے لیے پانی تک نہ ہوتا تھا

بس وہ صرف اپنے مقصد سے سیراب ہوا کرتے تھے اور بھوک اور افلاس کے ساتھ مرنا گوارا کر لیا کرتے تھے اور اس موت پر خوش تھے کہ انھوں نے اپنا فریضۂ مذہبی ادا کر دیا۔

اس انقلابِ اسلامی میں بہت سے قتل کر دیے گئے۔ مگر انھوں نے دشمن کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔ اس سلسلے میں کتنے سر تنوں سے جدا ہو گئے۔ کتنے لوگ دیواروں میں چُن دیے گئے۔ کتنے تختۂ دار پر پہنچ گئے۔ انھیں بے شمار قربانیاں دینی پڑیں۔

حد یہ ہے کہ بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دندان مبارک تک شہید ہو گئے۔ ان کے چچا حضرت حمزہؓ قتل ہو گئے۔ آپؐ کے انتہائی وفادار ساتھی حضرت علیؑ نے بہت سے زخم کھائے۔ صدہا مسلمان شہید ہوئے اور صدہا کا گھر تباہ و برباد ہوا۔ اور یہ سب کچھ اسلام کے نصب العین اور اسلامی انقلاب کی راہ میں اہل باطل اور طاغوت سے ٹکرانے کے نتیجہ میں ہوا۔

یہ محرومیاں اور یہ سختیاں نہ صرف یہ کہ ان لوگوں کو انقلاب سے باز نہ رکھ سکیں بلکہ روز بروز ان کے ایمان، خلوص، صفائے قلب اور عزم صمیم میں اضافہ کا باعث بنیں اور ان کے دلوں میں شہادت کا نشہ، سرور اور شوق پیدا کر دیا۔

بظاہر ان مجاہدین کے لیے یہ انتہائی تاریک دور تھا لیکن ان کی آرزوئیں اور تمنائیں بلند تھیں۔ ان کے ایمان کی شعاعیں، ان کا رعب و جلال آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ سچ ہے وہ نور جسے خدا نے روشن کیا ہو وہ کسی کے بجھائے کب بجھ سکتا ہے۔

اس انقلاب کی پیش گیری

ہمارے بزرگ اسلاف نے اس انقلاب کی تخم ریزی کی اور بعد میں آنے والوں نے اس کی دیکھ بھال کی، اس درخت کی آبیاری کی اور اس انقلاب کی فکر کو آئندہ نسلوں میں زندہ رکھا۔ ان کا شعار زندگی یہ تھا کہ

"القتل اولی من رکوب العار"
ذلت کی زندگی سے قتل ہو جانا بہتر

"والعار اولی من دخول النار"
اور ذلت کی زندگی جہنم میں جانے سے بہتر

اور ان کی آرزو یہ تھی کہ:

"یا لیتنی کنت معکم فافوز معکم"

" کاش میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوتا اور تمھارے
ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوتا ۔ "

یہ لوگ دل وجان سے مقصد و حق شناسی کی راہ میں اسلام کی نعمتیں تلاش کرتے تھے چنانچہ شبِ عاشور جو ان لوگوں کے لیے زندگی کی آخری شب تھی اور خوب جانتے تھے کہ کل حتماً قتل کر دیے جائیں گے ، مگر اس کے باوجود دعا ، قرأتِ قرآن اور ہمت بڑھانے والی ، جوش دلانے والی ، بیدار کرنے اور بیدار رکھنے والی گفتگو کرتے رہے ۔ اور ظلم وجور و سرکشی سے جہاد میں مشغول رہے ۔

یہ لوگ اس انقلاب کو اپنے اور دوسروں کے لیے تقربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اس سلسلہ میں انھوں نے خود پر خواب و خوراک تک حرام کر رکھی تھی ، حتیٰ انھیں اپنی جان کی سلامتی کی پرواہ نہ تھی ۔ وہ خود کو رنج و تعب و مصائب و آلام میں ڈال کر لذت و نشاط محسوس کرتے تھے ۔

ان کی یہ جد وجہد کس قدر باثمر اور بابرکت تھی کہ جس سے ظلم وجور کے کاخ و قصر لرز اٹھے ۔ انسانیت کی حقارت اور محرومیت معدوم ہوگئی ۔ دشمن مغلوب و منکوب ہوئے ۔ حق میں قوت آئی ۔ باطل نکبت و نفرت سے دوچار ہوا ۔ شہادت ایک مرغوب و دل کش چیز بن گئی ۔ توحید کی بلندی تک پہنچنے کے شوق میں جان و مال کی کوئی حقیقت نہیں رہ گئی ۔

تحریک کو زندہ رکھنے کی تدابیر

اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے بزرگوں نے خاصے سود مند اور مفید طریقے اور تدبیریں اختیار کیں۔ ان میں سے پہلی تدبیر تو یہ کہ وہ لوگ جو اس اسلامی تحریک اور اس کے مقصد کی راہ میں قتل ہوئے ان کی موت کو اہمیت دی جائے۔

چنانچہ جب عاشورا کا واقعہ ظہور پذیر ہوا تو عزاداری حسینیؑ کی بنیاد رکھ دی گئی اور ہر سال میں چند دن اس کے لیے مخصوص کر دیے گئے اور انھیں ایام عزا کا یہ اثر اور نتیجہ ہے کہ آج جہاں کہیں ستم و جور ہوتا ہے لوگ حسینؑ کو یاد کرتے ہیں اور ظلم پر لعنت بھیجتے ہیں۔

جہاں بھی ظلم اور بیداد کا کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے لوگ ظلم و بیداد کے بدترین نمونہ یعنی یزید کو یاد کرتے ہیں اور یہ اس انقلاب کے پیروؤں کی سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے کہ ہر جگہ کربلا کا ذکر ہے، ہر روز عاشورہ کا تذکرہ ہے اور ہر آزادی کی تحریک کو حسینی اور اسلامی تحریک کا نام دیا جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ مظاہروں کا تھا۔ چنانچہ جب حجر بن عدی کے قتل کی خبر مدینہ میں پہنچی تو امام حسین علیہ السلام سر و پا برہنہ روتے اور آہ و زاری کرتے ہوئے مدینہ کی شاہراہوں پر نکلے اور حکومت کی اس حرکت پر شدید اعتراض کیا۔ عمرو بن حمق خزاعی کے قتل پر بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار کیا اور معاویہ سے سخت باز پرس کی۔ آپؑ کی اتباع میں مظاہروں کا سیلاب رواں ہو گیا۔ بہت سے گروہ درمیان راہ میں آپؑ کے ساتھ آپ کے ہم قدم اور ہم آواز ہو گئے۔

تیسرا طریقہ شہداء پر گریہ و شیون، نوحہ و بکا کا تھا جس نے مکتب فکرِ اسلامی کو ہمیشہ کے لیے زمانے کے دست برد سے محفوظ رکھا۔ یہ نابکاریوں، زیادتیوں اور بے جا سختیوں کے خلاف لوگوں میں مقابلہ کی رُوح پھونک دیتا ہے اور انسانی زندگی میں انقلاب برپا کر کے اس میں انسانیت پیدا کرتا ہے۔

چوتھی تدبیر تبلیغات اور مجالس و محافل برپا کرنا ہے کہ جس میں اسلام کی تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد آخر میں ربطِ مصائب لگاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو شہیدانِ راہ خدا اور ان کی جد و جہد کی طرف متوجہ کر کے اور ان کے کردار کو لوگوں کے دلوں میں زندہ کر کے شرکا ر مجلس کو متاثر کرتے ہیں۔ اور ان میں حق پسندی اور عدل طلبی کے جذبہ کو تازہ کرتے ہیں اور مختلف مواقع پر ضرورت کے وقت انصاف سے ہٹے ہوئے حاکموں کے خلاف ان سے کام لیتے ہیں۔

اِسلامی تحریک اور ہم

یہ وہ راستہ، وہ طریقہ اور وہ خطِ سیر ہے جسے اسلام کے حقیقی پیشواؤں
حاکموں اور مجاہدانِ راہِ خدا نے اختیار کیا تھا۔ مگر اب یہ وہ وقت ہے کہ ہم لوگ خود
اپنی خبر لیں، اپنا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ——
ہم لوگ کون ہیں —— ہمارا دعویٰ کیا ہے ——
اور ہم لوگوں نے کیا کیا ہے ——؟
ہم لوگ مسلمان ہیں لیکن کیا ہمارا یہ دعویٰ سچّا ہے ؟
غور کیجیے کہ ہم لوگ اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ جب اللہ ہم سے پوچھے گا
کہ تم لوگوں نے اسلام کے مفاد میں کون سا قدم اٹھایا ——؟
سوچیے کہ ہم لوگ اللہ کو کیا جواب دیں گے اگر اللہ ہم سے پوچھے گا کہ
بتاؤ تم لوگوں نے اپنے دین و مذہب کے لیے کوشش و جہاد کیوں نہیں کیا ؟
تم نے امور کی باگ ڈور نا اہلوں اور بے عقلوں کے ہاتھوں میں جانے

کے لیے کیوں چھوڑدی ــــــــ؟ ناانصافیوں اور ناروائیوں پر سکوت کیوں اختیار کیا ــــــــ؟ تم لوگوں نے پیغمبر اسلامؐ اور ان کے صحابۂ کرامؓ کا راستہ کیوں نہ اختیار کیا ــــــــ؟ تم نے اپنے امور میں حکامِ جور کی طرف رجوع کرکے ان کی حاکمیت پر مہر تصدیق کیوں ثبت کی ــــــــ؟ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور ویسا کیوں کیا وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ جب ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم نماز اور دعا وغیرہ کے نام کے چند اوراد ہیں جن میں مشغول رہتے ہیں۔ ہم اس پر خوش ہوتے ہیں کہ سال میں چند روز اپنا منہ بند رکھتے ہیں اور غذا وغیرہ نہیں کھاتے اور اتفاقاً کبھی حج کرلیا، دعائیں پڑھ لیں لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کی تو سرے سے ہمیں کچھ خبر ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی فریضہ ہے یا نہیں۔

افسوس! دوسروں نے تو راہِ خدا میں اپنی جان تک دے دی اور ہمیں راہِ خدا میں ایک طمانچہ کھانا یا ایک گالی سننا یا اپنے لیے کوئی معمولی سی محرومیت اور مایوسی، بُری اور نامناسب معلوم ہوتی ہے۔

تو کیا ایسی حالت میں ہم مسلمان ہیں ــــــــ؟

سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے!

ہماری تاریخی ذمہ داری

ہم لوگ زمانے کے ایک ایسے حصے میں زندگی بسر کر رہے ہیں کہ جس میں یہ صورت ہے کہ یا تو ہمارے ہاتھوں اسلام مٹ جائے یا از سرِ نو زندہ ہو جائے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دین اور اسلامی جدوجہد میں ہماری اس تساہلی اور تسامح کی بنا پر ہمارے گزرے ہوئے مجاہدوں، شہیدوں کی محنتیں مشقتیں ضائع ہو جائیں۔

پیغام رسانی کی ہماری تاریخی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم پوری قوت کے ساتھ اس سلسلۂ جدوجہد اور تحریک کو قائم اور دائم رکھیں۔ ہم پر یہ فریضہ دوسرے ادوار اور اعصار کے لوگوں سے زیادہ عائد ہوتا ہے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اس آئین اور اس جدوجہد کی حفاظت کریں ہم اللہ کے امانتدار بنیں۔ ہمارا دین ہمارے پاس ایک امانت ہے، ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اس دین میں حرکت پیدا کریں، اس سے دوسروں کو روشناس کرائیں۔ تبلیغ، تحریر، تقریر، عمل اور جان و مال کے ذریعہ۔

آجکل جو وضع ہم لوگ اختیار کیے ہوئے ہیں اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ تو ضرور نکلے گا۔ خواہ وہ قابل نفرت ہو، خواہ قابل فخر۔ ممکن ہے کہ اسلام اور آئندہ آنے والی نسل ہم کو دعائیں دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم پر نفرین کرے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اس عصر کی اہمیت کو یاد رکھیں اور اپنی ذمہ داریوں کو نہ بھولیں۔

ہم سب جواب دہ ہیں۔

قیامت میں اللہ ہم لوگوں سے جواب طلب کرے گا اور پوچھے گا کہ صدر اسلام کے مسلمانوں کے مقابلہ میں تم لوگوں کے پاس کس چیز کی کمی تھی۔ ہمارے دین کی حفاظت کے لیے تم لوگ کیوں نہ اٹھے۔

تم میں کون سی برتری تھی کہ جس سے تم لوگ خود کو رنج و تعب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سنن الٰہی سے تم نے کیوں روگردانی کی۔

تم نے اس کا موقع کیوں دیا کہ خلافت و حکومت غصب ہو جائے اور

اقتدار ظالموں کے ہاتھ میں چلا جائے۔

تم نے اپنے امور میں حکومتِ ظلم وجور کی طرف رجوع کرکے اس کے قیام کی صحت کی تائید کیوں کی ؟

اللہ تعالیٰ کی ان بازپرسیوں کا ہم لوگوں کے پاس کیا جواب ہوگا ؟ ہم لوگوں نے ان سوالات کے لیے کیا جواب تیار کرلیا ہے ؟ کیا ہم لوگ یہ کہہ سکیں گے

پروردگار ! ہم لوگ دن رات دعا اور وظائف میں
مصروف تھے !

کیا وہ ہمارے اس جواب کو قبول کرے گا۔ اگر ہم یہ کہیں گے کہ میرے مالک ! چونکہ ہم لوگوں کے پاس علائق دنیوی اور مشاغلِ زندگی بہت زیادہ تھے اس سے فرصت نہ تھی اس لیے اس کی طرف توجہ نہ کرسکے۔

کیا ہم یہ کہہ سکیں گے کہ صدر اسلام کے مسلمانوں کی بہ نسبت ہمارے پاس وسائل اور امکانات کم تھے وغیرہ وغیرہ۔

اب اس دور میں انقلاب کو ہم لوگ لے کر چل رہے ہیں اور اس راہ میں ہماری وجہ سے یہ انقلاب موجودہ عصر میں تیز بھی ہوسکتا ہے اور سست بھی۔ اگر یہ انقلاب سست پڑ گیا تو دنیا ہم لوگوں کو مجرم ٹھہرائے گی۔ آنے والی نسلیں ہم لوگوں پر لعنت اور نفرین کریں گی اور خدا بھی ہم لوگوں سے بازپرس کرے گا۔

ہمارا غالب اور مغلوب ہونا خود ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا کمال تک پہنچنا خود ہماری کوشش اور ہمارے اخلاص پر منحصر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قرآن میں اللہ نے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق ہم لوگ وارث زمین بن جائیں۔ یا

دوسروں کا دیا ہوا کھائیں ۔ اسی طرح غلام بنے رہیں ۔
اگر ہم عزت کے خواہاں ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اس جدوجہد انقلاب کو قائم و دائم رکھیں۔ اس لیے کہ یہ فریضہ صرف صدرِ اسلام کے مسلمانوں ہی کا نہ تھا ہم اس سلسلہ میں کسی طرح بری الذمہ نہیں ہو سکتے ۔

ہمارے لیے عوامل حرکت آج بھی موجود ہیں

اگر مسلمان اپنے فرض کو پہچانیں تو عوامل و اسباب حرکت آج بھی موجود ہیں یہ سیہ روزیاں ، یہ درماندگیاں ، یہ سختیاں ، یہ برائیاں ، یہ سیاست کی غلط راہیں، یہ اقتصادیات کی نامناسب روشیں ، کیا ان سب سے زیادہ بڑھ کر اور قوی تر عوامل و اسباب حرکت ہو سکتے ہیں ؟
ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ؐ اور حضرت علیؑ نیز دیگر سچے مسلمانوں کے لیے اس وقت جو عوامل حرکت تھے وہ یہ نہ تھے بلکہ کچھ اور تھے ۔

آجکل یہ استحصال ، یہ غلامی ، یہ مفت خوریاں ، یہ بیدم کر دینے والی زنجیریں ، یہ غربت و افلاس ، یہ خونریزیاں ، یہ دھونس ، یہ دباؤ ساری دنیا کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں ۔ خیانت اور غلط کاریاں اونچی سطح پر جاری ہیں اور ایک سرسام کی سی کیفیت پیدا کیے ہوئے ہیں ۔ خباثت اور پلیدی رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے ۔ ظلم و ستم ، خود سری ، لوگوں کو اپنا غلام بنانا ہر جگہ ہے ، فریب، سخت برائی اور اپنے اوپر حکومت کرنے والوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کیا یہ سارے عوامل و اسباب حرکت و انقلاب لانے کے لیے کافی نہیں ہیں ؟

کیا ایک مسلمان یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے معاشرہ میں برائیاں

پھیلی رہیں ـــــ؟

کیا وہ خود کو کسی کی غلامی میں دینے کے لیے تیار ہے ـــــ؟

کیا وہ مظلوم کو نظر انداز کر کے ظالم کی مدد کر سکتا ہے ـــــ؟

کیا مسلمان اسے دیکھ سکتا ہے کہ ایک طرف تو عیش و نوش ہے اور دوسری طرف غیر مساویانہ سلوک ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ ان مفلوک الحال لوگوں کی سیہ بختیوں کے اور ان کی محرومیوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔ اس لیے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے حقوق تلف ہو رہے ہیں، ہماری ضروریاتِ زندگی تباہ کی جا رہی ہیں۔ ہم اس منزل پر ہیں کہ اللہ ہم سے باز پرس کرے گا۔ ہمارا فرض ہے کہ ان مصائب اور ان فریب کاریوں سے خود کو اور دوسروں کو نجات دلائیں۔

مردِ مسلمان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ گرد و پیش کے حالات سے بے تعلق رہے اور جو ادھیڑ بن اور بست و کشاد ہے اس سے خود کو بری الذمہ سمجھے۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنی زبان اور اپنے قلم کو حرکت دیں، ناہموار راستوں کو ہموار کریں اور بے سر و سامانی کو سر و سامان فراہم کریں۔

جد و جہد بنامِ عبادت کسی طرح کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ استعمار اور سرمایہ پرستی کے گھوڑوں، گدھوں پر ضرب نہ لگائی جائے۔ جب تک کہ دشمنوں کے ہاتھ اور ان کے فتنوں کو اپنے دامن سے جھٹک نہ دیا جائے۔ وہ جد و جہد اور وہ انقلاب کہ جس سے دشمنوں کے دل لرز نہ اٹھیں، جس سے ان کی سیاست زیر نہ ہو جائے۔ جس سے ان کے بنائے ہوئے خاکے اور منصوبے بے کار نہ ہو جائیں

درحقیقت اس کا نام جد وجہد اور انقلاب نہیں ہے۔

اسلام کی غربت و مسکنت، مسلمانوں کی بے سروسامانی، دنیا میں ان کی آلودگی اور درماندگی، خاص کر اس صدی کے آخری ادوار میں، یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو عوامل و اسبابِ انقلاب ہیں اور ہم سے تقاضا کرتی ہیں کہ ہم جد وجہد کریں اور قدم آگے بڑھائیں۔

آج ہماری حالت

آجکل تو ہم لوگوں کا حال یہ ہے جیسے ہم سب کے سب گہری نیند میں سو رہے ہیں. خوف اس کا ہے کہ کہیں وہ فرائض جو اللہ اور اسلام کے متعلق ہم لوگوں پر عاید ہوتے ہیں وہ معرضِ خطر میں نہ پڑ جائیں اور ہم ان فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکیں۔

آج ہمارے مسلمان نوجوانوں کی قوت، غیب کے پردوں کے پیچھے روپوش ہے، ان کی جد وجہد، ان کی کوششیں اور ان کا جذبۂ عمل تقریبًا مفقود و معدوم ہے، قوم و معاشرہ میں فساد، انحراف اور کجروی عام ہے۔ مذہبی تعلیم و تربیت خود ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے، قوم کے افکار خشک اور سنپھرائے ہوئے ہیں، اکثر بدبختی اور بدنصیبی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

ہم لوگ اس حالت کو پہنچ چکے ہیں کہ جسے دیکھ کر واقعًا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم لوگ اللہ کی بارگاہ میں، پیغمبر اسلامؐ کے سامنے اور اپنے ضمیر کے آگے شرمسار ہیں، منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ہم اپنے فرائض کی ادائیگی اور اس کا پیغام پہنچانے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔

آج اللہ کی حجّت ہم پر تمام ہے۔ احکامِ الٰہی سے انحراف کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ ان خلاف حق باتوں اور بے اعتدالیوں کا کوئی عذر اور کوئی بہانہ ہم نہیں پیش کرسکتے کہ جو ہمیں اس انحراف کے گناہ سے پاک کرسکے۔

تحریک کی ضرورت

اب بھی وقت ہے کہ ہم لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور ذلّت و اسیری سے نجات حاصل کرنے کے لیے قیام و اقدام کریں۔ ضروری ہے کہ اپنے گریبانوں سے سر باہر نکالیں اور ان تمام اندھیروں اور تاریکیوں سے خود کو اور دوسروں کو رہائی دلائیں۔ دنیا کی تاریک وادیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی اور تابندگی میں پناہ حاصل کریں۔

ہمیں اس کا انتظار نہ کرنا چاہیے کہ بغیر جد وجہد اور بغیر سعی وکوشش اسلام ہماری زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہوجائے گا اور ہمیں اور ہماری زندگی کے لیے ہر طرح کا سامان فراہم کردے گا۔

اگر ہمارا یہ خیال ہے کہ بغیر قربانیوں کے صرف اسلام کا نام لینے سے اسلام ہمارے سارے کام بنادے گا اور سارا سر وسامان فراہم کردے گا تو یہ ایک قسم کا معجزہ ہوگا اور اسلام نے کبھی بھی اس طرح کے معجزہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔

اسلام مروجہ اور عادی راہوں سے آگے بڑھتا ہے اور لوگوں کو بھی دستوری اور عادی طریقوں پر چلنے کی دعوت دیتا ہے اور ہمیں بقدرِ قوّت واستطاعت اللہ کی راہ میں چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب ہم راہ خدا میں قدم بڑھائیں گے تو ہماری کمک کے لیے غیبی امداد دوڑ کر آئے گی۔

آج ہمارے لیے ضروری ہے کہ اپنی قوم میں نئی جان اور نئی حرکت پیدا کریں۔ عزت و شرف اور انسانی اقدار حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم فکری طور پر عزلت نشین ہو جائیں اور ایک گوشہ میں بیٹھ جائیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو دوسری قومیں اور تاریخ کا بہاؤ ہمیں ایسی منزل پر پہنچا دے گا جہاں ہمیں خود اپنے کو دیکھ کر شرم آئے گی۔

اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ تمدن میں سب سے آگے ہے۔ ایجادات اور علمی و سیاسی جدوجہد میں سب سے آگے چلتا ہے۔ مگر یہ بات اسلام کو طہارت و نجاست کے چند مسائل میں محدود و منحصر کر دینے سے حاصل نہیں ہوگی۔ کوشش اس امر کی ہونی چاہیے کہ اسلام کے ہر جہت کے مسائل مثلاً اقتصادی، سیاسی، حکومتی اور تربیتی مسائل کا مرحلہ وار اجرا کریں۔

ہم لوگوں کو اور کچھ نہیں تو ایک بچے ہی کی مانند خواہش رکھنی چاہیے اور اس خواہش تک پہنچنے کے لیے رونا چاہیے۔ جس طرح بچہ اپنی ماں کا دامن پکڑتا ہے، روتا ہے اسی طرح ہم اپنے پروردگار کا دامنِ رحمت پکڑیں، آنسو بہائیں اور اس سے مدد چاہیں۔ ہمیں اپنی ناکامیوں پر کم از کم اتنا تو کرنا چاہیے۔
لیکن افسوس کہ ہم یہ بھی نہیں کرتے !!!

حرکت اور عقیدہ

ہمارا یہ عقیدہ اور یقین ہے کہ وہ جد وجہد جو با مقصد اور فہم و آگہی کے ساتھ ہو کامیاب ہوتی ہے اور اس کام کو تو ہم لوگ اپنے اس دور میں بھی انجام دے سکتے ہیں۔

سکون و رکود کا نتیجہ خواری اور محرومیت ہے، ذلت و ناکامی ہے لوگوں کو استحصال کرنے کا موقع دینا ہے۔

ہم لوگ وعدۂ الٰہی کے مطابق اس کے قائل ہیں کہ اگر جد وجہد کریں تو وارثِ زمین بن سکتے ہیں اور قیادت و حکومت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

آج اپنے اس موجودہ دور میں بھی ہم لوگ اپنی جد وجہد سے عاشورا برپا کرسکتے ہیں۔ دنیا کے بہت سے مقامات کو کربلا بنا سکتے ہیں، ایسی نئی نئی فکریں پیش کرسکتے ہیں جو ہماری نسلوں کے لیے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے محرک بن سکیں بشرطیکہ ہم نفع حاضر کے پیچھے نہ لگ جائیں۔ اور اس انتظار میں نہ رہیں کہ اگر آج

کام کیا ہے تو آج ہی اس کا پھل بھی مل جائے۔ آج تو کوئی پروگرام اور کوئی طریقۂ کار ہی پیش کیا جا سکتا ہے کہ جس کو منبروں سے بیان کیا جائے اور اس کے لیے اجتماعات اور جلسے منعقد کیے جائیں اور اس میں اسلام کے اغراض و مقاصد اجتماع کے سامنے رکھے جائیں۔

اس سلسلہ میں قلتِ تعداد سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ قلتِ تعداد نہ ہمارے فریضہ کو ہم سے سبکدوش کر سکتی ہے اور نہ اس سے ہمارا عذر قابل سماعت ہو سکتا ہے۔

قرآن میں ارشادِ ربانی ہے کہ راہ خدا میں اگر دو آدمی بھی ہوں تو اٹھ کھڑے ہوں اور اگر دو آدمی بھی نہ ہوں اور تم صرف اکیلے ہو تو بھی تم تن تنہا اٹھو اور متحرک ہو جاؤ۔ کیونکہ بہت سے ایسے گروہ ہیں جو دیکھنے میں عظیم نظر آتے ہیں مگر وہ گروہ قلیل کے زیر تسلط اور تختِ اقتدار آجاتے ہیں۔

تحریک کی طرف اقدام کرنے میں کس چیز کی ضرورت ہے

جدوجہد کی طرف اقدام کرنے میں اور خاص کر اسے موثر بنانے میں دو۲ باتوں کی طرف توجہ ضروری ہے۔

ایک جدوجہد اور حرکت کی علّت سے آگاہ ہونا۔

اور دوسرے یہ کہ اس کا کوئی مقصد ہونا چاہیئے۔

جہاں تک حرکت وجنبش کی علّت وسبب کا تعلق ہے تو وہ قوم کی بے سروسامانی، اس کی مشکلات میں گرفتاری اور فقر وفاقہ ہوسکتا ہے۔ لیکن مقصد تو بس ان حالات سے چھٹکارا اور لوگوں کو خوش بختی، رفاہ، فارغ البالی تک پہنچانا اور بالآخر، تقرب الہٰی اور کمال کی حدتک پہنچنا ہے۔

اس مقصد تک پہنچنے کے لیے ضرورت ہے کہ انسانوں کے ذہن وافکار بدل دیے جائیں۔ اور ذہن وافکار میں تبدیلی کے لیے لازم ہے کہ کتاب اللہ کو اساس بنایا جائے۔ پھر ایک میزان (عدل) کی بھی ضرورت ہے۔ جس سے

قرآنی نظام برقرار رہ سکے اور پھر آہنی اسلحوں کی بھی تاکہ اس کے ذریعے غلط نظاموں کو مسمار کیا جائے۔ اور اس جدید نظام کی بنیاد رکھی جائے۔ اور اس کی حفاظت کی جائے۔

حرکت وانقلاب برپا کرنے کے سلسلہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ کام گردش قلم وکفش کی حد سے آگے بڑھ کر شمشیر اور ہتھیاروں تک پہنچ جائے۔ پیغمبر اکرم ص نے بھی مدینہ میں خود ایسا ہی کیا تھا۔

اگر انسان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں خالی ہاتھ ہے تو دانت اور ہاتھ سے بھی کام لے سکتا ہے اور اپنی جدوجہد کو آگے بڑھا سکتا ہے۔

بنیادی طور پر اسلام بزور شمشیر آگے بڑھنے کا قائل نہیں۔ وہ پہلے کوشش کرتا ہے کہ منطق واستدلال سے کام لے۔ مگر جب دشمن اس کے خلاف اسلحہ اٹھا لے تو پھر یہ بھی اسلحوں سے کام لیتا ہے۔ جو لوگ اسلام پر یہ اتہام لگاتے ہیں کہ وہ بزور شمشیر پھیلا، ان کی یہ باتیں انتہائی ناروا اور تہمت آمیز ہیں۔ اسلام نے تلوار اس وقت کھینچی، جب اسے اپنے دفاع کی ضرورت پیش آئی۔ اور دیکھا کہ بغیر تلوار کے دفاع ممکن نہیں۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اپنے مقصد اور ہدف تک پہنچنے کے لیے دوسرے راستے موجود ہوں تو اسلحوں سے کام نہیں لینا چاہیے۔

*

حرکت و انقلاب کی طرف اقدام کیلیے چند مراحل

انقلاب کی طرف قدم بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ نورِ خدا، قرآن اور سنّتِ معصومین علیہم السّلام ہماری راہنما ہو۔ ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم اس نور اور اس روشنی سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے ماحول کو روشن کرلیں اور اس سے گریز ممکن نہیں ورنہ ہر طرف اندھیرا اور تیرگی ہو گی۔

اب قرآن و سنّت کی روشنی اور رہنمائی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں چند مراحل پہلے طے کیے جا چکے ہیں اور وہ اس وقت ہمارے لیے آزمودہ چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اعتقادی ماحول پیدا کرنا

اسلامی انقلاب کی بنیاد جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ایک اعتقادی ماحول تھا۔

اگر اعتقاد و ایمان نہ ہوتا تو پھر تعمیری جد و جہد پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کسی اور گروہ کی طرف سے بھی انقلاب کی کوشش ہو، مگر چونکہ اس کی بنیاد میں کچھ نہیں ہوگا یا زیادہ سے زیادہ علمی الفاظ میں یہ کہیے کہ چونکہ اس میں تعلیم و تربیت کا کوئی ماحول نہ ہوگا اور پہلے ہی سے اس کے لیے افراد تیار نہ کیے گئے ہوں گے اس لیے وہ انقلاب قدم جما نہیں سکے گا۔

عقیدہ پشت پناہ ہوتا ہے، ایک تکیہ کی حیثیت رکھتا ہے جو وابستگی و دل بستگی کا سبب بنتا ہے۔ یہ لائٹ کے مانند ہے۔ موٹر چلانے سے پہلے لائٹ جلائی جاتی ہے یہ تو سراسر غلط ہے کہ پہلے تو کار اندھیرے میں راستہ طے کرنے لگے اور بعد میں آپ لائٹ جلائیں۔

اسی بنیاد پر حرکت و انقلاب کے لیے نظریہ   کے چراغ کی ضرورت ہے۔ جب تک لوگوں کا اعتقاد تبدیل نہ ہو۔ جب تک لوگوں کے اخلاق درست نہ کر لیے جائیں، جب تک بنیاد استوار نہ کر لی جائے، حرکت و انقلاب رنگ نہیں لا سکتا۔ اور کسی سیاسی، اجتماعی یا اقتصادی نظام کا قائم ہونا ممکن نہیں اور اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو ہر انقلاب کی بنیاد یہ ہے کہ سب سے پہلے ثقافتی انقلاب لایا جائے اور افراد کو انقلاب کے لیے تیار کر لیا جائے۔

(۲) مقصد کا تعین

چونکہ انقلاب کو سوچا سمجھا ہوا، نپا تلا ہوا ہونا ہے اور اسے ایک معینہ سمت کی طرف لے جانا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اس انقلاب کا ایک مقصد خود اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی معین کر لیا جائے تاکہ ہمیں معلوم رہے کہ

ہم کیا کرنا چاہتے ہیں، کس منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں اور ہمارا مقصد کیا ہے، ہمارا قبلہ کدھر ہے کس رخ پر اور کس دائرہ میں رہ کر ہم کام کرنا چاہتے ہیں۔

بے شک ہمارا نصب العین خدا اور راہِ خدا ہے۔ ہماری ہر جنگ فی سبیل اللہ ہے۔ ہمارے نظریہ اور نصب العین کے تحت تنہا وہ افراد جن کی جد وجہد اللہ کے لیے اور اللہ کی یاد کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں ہے وہ تیزی کے ساتھ بلندی کی طرف رواں ہیں، اور صرف وہ افراد جو اسلامی جد وجہد کو ایک فریضہ سمجھ کر انجام دے رہے ہیں اور پورے خلوص سے کام کر رہے ہیں وہی کامیاب و کامران ہیں۔

بنا بریں ضروری ہے کہ جو لوگ اس جد وجہد میں شریک ہونا چاہتے ہیں وہ منتخب اور چنے ہوئے ہوں۔ اسی کے پیش نظر امام حسین علیہ السلام نے شبِ عاشور اپنے ساتھیوں کے خلوص کو آزمایا اور ان میں سے چند کو منتخب کیا اور جن میں خلوص نہیں تھا انھیں اپنے حلقے سے جدا کر دیا۔

۳ تعیینِ روش و راہ

بغیر کسی منصوبہ بندی کے جد وجہد اور بغیر کوئی پروگرام بنائے اچھل کود انسان کو تھکا دیتی ہے اور وہ پھر اس قابل نہیں رہ جاتا کہ منزل و مقصد تک پہنچ سکے۔ ایک منصوبہ کے ساتھ جد وجہد ممکن ہے کہ تعمیری ہو سکے اور آگے بڑھ سکے یا یہ بھی ممکن ہے کہ موجب سقوط و انحطاط ہو جائے۔ مگر عرصۂ زندگی میں سب سے زیادہ کامیاب وہی شخص ہوتا ہے جو صحیح منصوبہ بنائے، صحیح راستہ کا انتخاب کرے۔

ہم لوگ یہ نہیں کر سکتے کہ اپنی جد وجہد کی راہ اختیار کرنے میں اہل مغرب یا اہلِ مشرق کی پیروی کریں، کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ ان کی راہیں نیک اور سعادت آفریں

نہیں ہیں، اس کے علاوہ ان کی راہوں میں اتلاف جان و مال زیادہ ہوتا ہے۔ جدوجہد اور انقلاب کے لیے اسلامی راہ اختیار کرنے میں یہ ہے کہ راستہ بہت ہموار اور مختصر ہوتا ہے۔ اس میں آبادیوں کو ویران، شہروں کو نیست و نابود اور لوگوں کا خونِ ناحق نہیں بہایا جاتا۔

ہم لوگوں کے لیے یہ مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ جدوجہد کس طرح کریں اس کے لیے کون سا فن استعمال کریں، کس ٹیکنیک سے کام لیا جائے۔ اور جو طریقہ ہم اختیار کریں اس میں ہماری نیت اور ہمارا قصد کیا ہو۔

④ توجہ طلب امور

اس میں شک نہیں کہ ہمارے معاشرے میں بے سروسامانی، کج روی اور بے راہ روی بہت زیادہ ہے۔ اور یہ سبھی دور کرنے کے قابل ہیں مگر ان میں سے بعض کو بعض پر اولیت حاصل ہے۔

لیکن ان تمام اقدامات میں اہم بات تو اپنی پہنچ اور دسترس کی ہے، لٰہذا یہ دیکھ لینا چاہیے کہ ان میں سے سب سے پہلے کس امر کی طرف توجہ کی جائے۔ اس لیے کہ بہت سے کام ہمارے ایسے ہوتے ہیں کہ ہم شاخوں اور پتوں کو دیکھتے ہیں مگر اس کی جڑیں جو زمین میں پوشیدہ ہیں اور ان کی خرابی کی وجہ سے شاخیں اور پتیاں متاثر ہیں ہم انھیں نہیں دیکھتے۔

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمیں ان فاسد جڑوں کو نکال لینے اور صاف کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یعنی ہمیں ان بنیادی عوامل و اسباب کو دور کر لینا چاہیے جو اس امر کے لیے کوشاں ہیں کہ ہمارے معاشرے کے افراد کو افلاس میں مبتلا کر دیں اور پھر اس کے تحت انھیں جس رنگ میں چاہیں رنگ لیں۔

الغرض ہمارے لیے یہ اہم ہے کہ پہلے ہم اپنی جدوجہد کا رخ اور اس کی سمت متعین کرلیں ورنہ بغیر اس کے زندگیاں تلف ہوجائیں گی۔ ہماری کوششیں بے ثمر اور غیر موثر ہوکر رہ جائیں گی۔ غور کیجیے!

اگر کسی پانی کے حوض میں کیڑے پڑ گئے ہوں تو بغیر صفائی اس میں پانی نہیں دودھ بھی بھر دیں تو بے کار ہے۔ اگر مرض سرطان کی جڑیں تمام جسم میں پھیل چکی ہیں تو مسکن اور بے حس کر دینے والی گولیوں سے کام نہیں چلے گا بلکہ سرطان کی پھیلی ہوئی جڑوں کو خشک کرنا پڑے گا۔

اقدام سے پہلے

قبل اس کے کہ ہم انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی اقدام کریں ہمیں خود اپنا اندازہ لگا لینا چاہیے اور دیکھ لینا چاہیے کہ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں، اس وقت کس موڑ پر اور کس راستہ پر کھڑے ہیں۔ ہم میں کتنی توانائی اور طاقت ہے۔ ہمارے لیے مزید امکانات کیا ہیں، ہمارے معاشرے کے مسائل اور مشکلات کیا ہیں جو باعثِ آزار ہیں۔

اس کے بعد پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ جس راستے کو ہم طے کرنا چاہتے ہیں اس کے متعلق اچھی طرح آگاہی اور واقفیت حاصل کریں۔ اپنی راہ اپنی منزل اور اپنے طریقہ کار کو سیکھ اور سمجھ لیں اور یہ جان لیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کس طرح ایسا اقدام کیا جائے کہ جس سے لوگ دل تنگ نہ ہوں، شگفتہ اور خوش دل رہیں اور انسان بحیثیت انسانیت فیضیاب ہوسکے۔

دوسرا قدم یہ کہ خود اپنے اندر ایمان کی بنیاد کو مستحکم کریں، اپنے کو درست کریں اور سانپ کی طرح کینچلی چھوڑ دیں، جدت پیدا کریں، نئے افکار و خیالات اور

نئی زندگی کو خوش آمدید کہیں۔ اپنے اندر عید کی خوشی پیدا کریں اور کوشش کریں کہ ہمارے اخلاق قرآنی ہمارے آداب انسانی بن جائیں۔ فکر اور قلب میں ہم آہنگی ہو عمل میں تقوی کا دخل ہو۔

ہمیں اس انقلابی جد وجہد کی راہ میں ایسی قوت اور توانائی کی ضرورت ہے جو ہمیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دے۔ اس راستہ پر ثابت قدم رکھے۔ جم کر مقابلہ کرنے والا بنا دے تاکہ آگ کی بھٹی میں بھی تپنے سے گریز نہ کریں کشاکش زندگی میں اپنے ہدف اور نصب العین کو بھول نہ جائیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کی اس دعا کو پیش نظر رکھیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ :

"پروردگار تو مجھے ایسا ایمان عطا فرما جو ہمیشہ قلب و نظر سے ہم آہنگ رہے۔"

تیسرا قدم یہ کہ ہم اپنے قریب ترین افراد کی اصلاح اور درستی پر توجہ دیں قرآن مجید کا ارشاد ہے :

"تم لوگ اپنے نفوس اور اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچاؤ۔"

اور پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے :

"ان لوگوں سے شروع کرو جو تمھارے اہل خانہ ہیں۔"

پھر اس کے بعد ہم اپنے ماحول اپنے گلی کوچہ اور دوسرے مقامات کے لوگوں کی اصلاح کریں اس کے بعد دوسرے ممالک کی طرف توجہ دیں۔ مگر ہر حالت میں پہلے اپنی اصلاح اور اپنی حیثیت اور قدر و قیمت کا اندازہ بہت ضروری ہے۔ جو شخص خود اپنی اصلاح نہ کر سکا وہ دوسروں کی اصلاح کیا کرے گا یا وہ شخص جو خود اندھا ہے وہ دوسروں کی عصا گیری اور رہنمائی کیسے کرے گا۔

درمیانِ راہ کی ضروریات

بے شک کہ اُس قادرِ متعال میں ہر طرح کی قدرت ہے اگر وہ چاہے تو بغیر سعی و کوشش ہم لوگوں کو خوش نصیب بنادے اور ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیابی عطا کرے مگر بربنائے حکمت و مصلحت وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی سعی و کوشش کا پھل کھائے اور خوش بخت بنے، اپنی تقدیر کو خود بدلے، اپنی اصلاح اور درستی اپنے ہاتھوں کرے، اپنے کام کاج تنہا انجام دے۔ اسی بنا پر وہ چاہتا ہے کہ انسان مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھے۔

① ہوشیاری

حرکت و انقلاب کی راہ ایک دشوار راہ ہے۔ ممکن ہے کہ درمیانِ راہ کوئی ضرب اور کوئی صدمہ خود کو یا ہمسفروں کو پہنچے۔ مگر صرف بیداری اور ہوشیاری ہی اس اقدام کو ضربات و صدمات سے بچا سکتی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے سفرِ زندگی میں کافی ہوشیاری سے کام لے۔ اور اس امر پر کڑی نظر رکھے کہ کہیں اس کے فکر و خلوص، اس کی استقامت اور ثباتِ قدم اور اس کے لطف و مہربانی سے کوئی غلط فائدہ تو نہیں اٹھایا جا رہا ہے حد سے زیادہ بھروسہ اور بغیر سوچے سمجھے مہربانی اور حسنِ ظن بہت سے مواقع پر باعثِ نقصان بن جاتے ہیں۔

۲ جذبہ و شجاعت

حرکتِ انقلابِ اسلامی میں مسائل کے درک و فہم کے علاوہ جوش و جذبہ جرأت و شجاعت، شعور و احساس کی بھی ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس سلسلہ میں ہمیں دلیل و برہان اور بردباری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر جس طرح ہمیں قوتِ ایمانی کی ضرورت ہے اسی طرح جوش و جذبہ و جرأت و شجاعت کی بھی ضرورت ہے تاکہ اگر موقع آپڑے تو دشمن کے نیزے کی انیوں کو مسکراتے ہوئے قبول کر لیں۔

ہمیں ایمان و اخلاص اور یقین کے ساتھ ساتھ جوش و جذبہ اور جرأت و شجاعت کی بھی احتیاج ہے تاکہ کسی کے ڈرانے دھمکانے یا رعب جمانے سے نہ ڈریں اور اپنے ادائے فرض سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ آگے بڑھیں، بے تابی وغیرہ نہ دکھائیں ؟

۳ تحمّل و بُردباری

اس سلسلہ میں اپنی سیر و حرکت کو مسلسل جاری رکھنے کے لیے ہمیں

صبر و شکیبائی، مقاومت اور ثبات قدم کی بھی ضرورت ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کی راہ میں بغیر ثباتِ قدم کے تائیدِ غیبی، نزول نصرت و قدرت اور فتحیابی اور کامیابی کا امکان نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کام میں رکاوٹیں، سختیاں اور دشواریاں ہمیں منہ کے بل گرا دیں۔

اگر گزشتہ دور میں اسلام اور مسلمانوں نے ایک مقام حاصل کیا تھا تو درحقیقت وہ سختیوں پر صبر و شکیبائی اور بھوک کی برداشت اور پہاڑ کی طرح ثابت قدمی ہی کا نتیجہ تھا۔ خواہشاتِ نفسانی اور حرص و ہوس سے جنگ اور اس سے انحراف کا ثمرہ تھا۔

اسلام کا انسان مجاہد ہے، فداکار ہے، صاحبِ فضیلت ہے، دارائے صبرِ شکیبائی ہے، راحت طلبی سے گریزاں ہے، تن پروری سے کوسوں دور ہے۔ وہ باہمت ہے، حلیم ہے اور اسی کے تحت وہ سعی و کوشش کرتا ہے اور انسانی معاشرے کو فتنہ و شر سے دُور رکھتا ہے۔

④ ہمکار و ہمسفروں کی موجودگی

حرکت و انقلاب کی راہ میں ہم تنہا بھی ہوں تو ہمیں ہمت کر کے کھڑا ہونا اور قدم آگے بڑھانا چاہیے۔ لیکن اس سلسلہ میں اگر چند دوست، چند ہم فکر، چند ہمکار بھی مل جائیں تو یہ توفیق الہٰی اور خوش قسمتی کا سبب ہے، اس لیے جہاں تک ممکن ہو اپنا ساتھی اور ہمکار بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔

تاکہ

جدوجہد زیادہ باثمر اور سعی و کوشش زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہو۔

یہ بدیہی امر ہے کہ

وہ تمام افراد جن کو اس تحریک میں قدم اٹھانا ہے وہ پہلے سے تربیت یافتہ تو نہیں ہوں گے لہٰذا ان کو تربیت دینے اور اپنا ہم فکر و ہم خیال بنانے کی کوشش کرنا لازمی ہے۔

اور یہ کام تو خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارے ائمۂ طاہرین علیہم السلام نے بھی انجام دیا ہے۔

لائِق اجتناب اُمور

حرکت وانقلاب کی راہ میں چند نکات پر توجّہ کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے غفلت اور سستی وکاہلی سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ ہمارے اس دور اور اس زمانے میں شکست اور اکھاڑ پچھاڑ و مسماری اور بربادی کا اکثر و بیشتر سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہم اپنی کوشش کے بہت جلد نتیجہ خیز ہونے کی خواہش سے پرہیز کریں اور اس انتظار میں نہ رہیں کہ ہمارا آج کا کام آج ہی پھل بھی دے گا۔ اگر ہمارے رہنماؤں کے دماغ میں بھی یہی خیال ہوتا تو آج ہم اسلام سے اس طرح بہرہ ور نہیں ہو سکتے تھے۔

آج کا دن تو کام کا دن ہے اور وہ بھی پوری لگن کے ساتھ پوری گہرائی میں اُتر کر۔ صرف سطحی طور پر دیکھ بھال کا نہیں۔ اور جب یہ معلوم ہے کہ ہماری

ساری کوششیں ارادہ ومشیت الہٰی کے ماتحت ہیں تو پھر اس سلسلہ میں ناکامی یا عدم نتیجہ خیزی سے ہمیں کیا خوف اور کیا گھبراہٹ۔

ہمارا کام تو ایک کسان کا سا ہے۔ ہمارا فریضہ زمین تیار کرنا اور اس میں تخم ریزی کرنا ہے۔ اب یہ کہ دانہ اُگتا ہے یا نہیں، یہ ہمارا کام نہیں۔ اس کا اُگانا اللہ کا کام ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ جو کام ہم سے متعلق ہے وہ ہم کریں اور جو کام خدا کا ہے وہ خدا پر چھوڑ دیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ مایوسی اور افسردگی کو اپنے سے دُور رکھیں اور سعی وکوشش میں منہمک رہیں۔ مردانِ اولوالعزم اپنی سطحِ فکر کو وسیع تر رکھتے ہیں وہ اپنی جد وجہد میں کبھی مایوس نہیں ہوا کرتے۔ خواہ اس راہ میں ان کو قید وبند اور صعوبتیں کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔

راہ کی دشواریاں

ہم لوگوں کی جدوجہد کی راہ میں بے شمار موانع اور رکاوٹیں ہیں جو ہمیں آگے بڑھنے سے روکتی ہیں اور حالات کو بدلنے نہیں دیتیں۔ ہمارا یہ دور بھی ایک طرح سے صدر اسلام کے مسلمانوں کے دور کی مانند ہے۔ تعداد کی کمی اور نارسائیوں کی زیادتی جیسی اس وقت تھی ویسی ہی اب ہے۔

اس کے علاوہ ہمارا معاشرہ جس کا نام اسلامی معاشرہ ہے اس میں اسلامی رنگ نہیں ہے۔ چہرۂ اسلام پہچانا نہیں جاتا۔ ہمارے کان اور ہمارے ذہن مفاہیم قرآن سے ناآشنا ہیں۔ ہماری مجلسیں رسمی اور ایک استقبالیہ کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ ہمارے بازار مسلمانوں کے بازار کہے جانے کے مستحق نہیں۔ یورپی ممالک سے ہمارے روابط اور تعلقات قابل افسوس ہیں۔ وہ لوگ جو مختلف کاموں سے یورپ جاتے ہیں۔ وہ سچے اسلام کا نمونہ پیش کرنے اور اس کی پہچان کرانے سے قاصر ہیں۔ غرضیکہ ہماری زندگی کی ساری فضا غبار آلود ہے۔

یہی دشواریاں ہیں جن کے سبب زندگی کی راہ میں ہماری رفتار قشری اور سطحی ہے اصلی اور طبیعی نہیں ہے۔ جیسے اس پتھر کی رفتار جو اوپر کو پھینکا جائے اور وہ دشواری سے اوپر جائے۔ بلکہ ہماری زحمتیں تو صدر اسلام کے مسلمانوں سے کبھی زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ ایک کھنڈر کو صاف کر کے اس پر نئی تعمیر کرنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت ایک نئی اور غیر تعمیر شدہ زمین پر مکان بنانے کے۔

مگر اس کے باوجود ہٹنا نہیں چاہیے اور اپنے فریضہ کے بوجھ سے کاندھا نہیں ہٹانا چاہیے۔ بلکہ پورے سپاہیانہ اور فداکارانہ انداز سے آگے بڑھ کر آسودگی اور سعادت حاصل کرنی چاہیے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ہرگز کسی حال میں اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم بے حس و حرکت بُت بنے بیٹھے رہیں اور جس حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اسی حالت پر راضی اور خوش رہیں بلکہ اپنی جدوجہد کی راہ میں جس طرح اور جس قسم کے بھی موانع ہوں ان کو دور کریں۔

نقوشِ کمک و نصرتِ الٰہی

اپنے مقصد پر ایمان و یقین اور اللہ سے طلب نصرت و تائید سے ہو سکتا ہے کہ ہماری خوش بختی اور سعادت مندی کے غیر معمولی نقوش ابھر کر سامنے آئیں اور حصولِ مقصد میں مدد دیں۔ بشرطیکہ دعا کے ساتھ عمل کے لیے بھی ہاتھ اٹھائیں۔

کچھ لوگ جو صرف دعا سے چپکے رہتے ہیں اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ آسمان سے عدل اور آزادی برس پڑے گی، یہ ان کی غلطی ہے۔ اسلام نے ہمیں قدرت اور ارادہ عطا کیا ہے، آنکھ کان اور تمام اعضا دیے ہیں تو چاہیے کہ زبان ہلے اور تمام اعضا حرکت میں لائے جائیں۔

انبیائے کرام انسانیت کے کامل نمونہ تھے۔ وہ صرف دعاؤں میں ہی مشغول نہیں رہتے تھے بلکہ خود بھی جد و جہد کرتے اور دوسروں میں بھی جد و جہد پیدا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ اللہ سے مزید مدد حاصل کرنے کے لیے

قوتِ قلب کی زیادتی کے لیے، وعدۂ الٰہی پر تکیہ اور بھروسہ اور اس سے اپنی وابستگی
کے اظہار کے لیے دعاؤں سے بھی کام لیتے تھے۔

اگر یہی ہو کہ ہمارے ہر کام اللہ کر دیا کرے تو پھر اس دنیا میں ہمارا
فریضہ اور کام ہی کیا رہ جائے گا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم خود اپنی حالت میں تبدیلی
لائیں کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"اللہ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں
بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدلنے
کے لیے تیار نہیں ہوتی۔"

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا